اشاعت کا ۶۵ واں سال

یادگار: شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید

ماہ نامہ ہمدرد نونہال

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیرِ اعلا
مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۹ | جلد ۶۵ | ستمبر ۲۰۱۷ عیسوی

ذی الحج ۱۴۳۸ ہجری

قیمت عام شمارہ ۳۵ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے) ۳۸۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۵۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۳۴۰ رُپے

سالانہ (غیر ممالک سے) ۵۰-امریکی ڈالر

ٹیلے فون 36620945 – 36620949
36616001 – 36616004
ایکسٹینشن (052 ، 066)
ٹیلے فیکس نمبر (92-021) 36611755
ای میل hfo@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) www.hamdard.com.pk
ویب سائٹ ادارہ سعید www.hakimsaid.info
فیس بک پیج www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

''ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف

بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔''

قرآنی آیات اور احادیثِ نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

اچھی مچھلی
۵۹

جدون ادیب

ایک اچھا بچہ جو بُرائی کے تالاب کی طرف بڑھ رہا تھا

بابا بیرو
۶۳

شیخ عبدالحمید عابد

ایک دردمند باغ بان کی کہانی، جسے اپنے باغ سے بہت محبت تھی

خزانے کی تلاش
۴۰

جاوید اقبال

بہت پرانے نقشے کی مدد سے چند دوست خزانے کی تلاش میں نکلے تھے، لیکن.....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید کی یادرہنے والی باتیں

دفاع کے معنی ہیں دور کرنا، روکنا، باز رکھنا۔ کسی ملک کے دفاع کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دشمنوں کو اس سے دور رکھا جائے، ان کو قریب آنے اور نقصان پہنچانے سے روکا جائے۔ اس مقصد کے لیے ہر ملک اپنی فوج رکھتا ہے اور فوج کو اپنا بساط بھر اچھے اچھے ہتھیاروں سے لیس رکھتا ہے۔ فوج کا تو کام ہی ہوتا ہے، ملک کو دشمن کے حملے سے بچانا اور اس کی حفاظت کرنا، لیکن ملک کو بچانا ملک کے ہر شہری کا فرض ہوتا ہے۔ ایک آزاد ملک کا ہر شہری اپنے ملک کا دفاع کرتا ہے۔

پاکستان ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے۔ ہماری فوج اس کے دفاع کے لیے ہر وقت چوکس اور تیار رہتی ہے، لیکن اس کی حفاظت ہم سب کا فرض ہے۔ اس کو ہر تکلیف سے، ہر مصیبت سے، ہر قسم کی برائیوں سے بچانا ہم سب کا فرض ہے، کیوں کہ پاکستان ہم سب کا ہے۔ میرے خیال میں پاکستان کا دفاع صرف یہی نہیں ہے کہ بیرونی دشمنوں سے اس کی حفاظت کی جائے اور ان کو پاکستان میں داخل ہونے سے روکا جائے، بلکہ پاکستان کو ہر قسم کے دشمنوں اور ہر قسم کی دشمنی سے بچانا اور محفوظ رکھنا بھی پاکستان کا دفاع ہی ہے۔

ہم میں سے جو آدمی بھی اچھا کام کرتا ہے، چاہے وہ کسی کے لیے ہو، وہ پاکستان کی خدمت کرتا ہے اور حفاظت کرتا ہے۔ اس لیے کہ پاکستان اسی وقت قائم رہ سکتا ہے اور محفوظ رہ سکتا ہے، جب ہم سب اچھے اچھے کام کریں۔ اچھے خیالات رکھیں، اعلا تعلیم حاصل کریں۔ اپنے بھائیوں سے محبت کریں۔ اصول اور قانون کے خلاف کوئی کام نہ کریں۔ کسی بھائی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس سے بدلہ نہ لیں، بلکہ اسے معاف کردیں، کیوں کہ وہ بھی پاکستانی ہے اور پاکستان ہمارا گھر ہے۔

(ہمدرد نونہال ستمبر ۱۹۸۷ء سے لیا گیا)

پہلی بات

اس مہینے کا خیال:

محبت کا دوسرا نام زندگی ہے۔

مسعود احمد برکاتی

سلیم فرخی

سب سے پہلے تو خاص نمبر بہت زیادہ پسند کرنے پر تمام نونہالوں کا بے حد شکریہ۔

اب ستمبر ۲۰۱۷ء کا شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور اسلامی مہینا ذی الحج کا ہے۔ اس مہینے کی دس تاریخ کو ہر سال سنتِ ابراہیمی کی یاد تازہ کرنے کے لیے حلال جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے، اس لیے اسے عیدِ قرباں بھی کہتے ہیں۔ یہ قربانی اللہ کی اطاعت کا اظہار ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اسی طرح حضور اکرمؐ کے دادا عبدالمطلب نے بھی اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ انھوں نے منت مانی تھی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوں گے تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا۔ اللہ نے انھیں دس بیٹے عطا کیے۔ منت پوری کرنے کے لیے انھوں نے بیٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی تو قرعہ ان کے سب سے عزیز بیٹے عبداللہ (حضور اکرمؐ کے والد) کے نام نکلا۔ وہ انھیں قربان کرنے کے لیے تیار ہوئے تو خاندان کے سب لوگ دوڑے، انھیں روکا اور کہا: ''فلاں مقام پر ایک نیک عورت رہتی ہے، اس سے مشورہ کرو، وہ کوئی ترکیب بتائے گی، جس سے منت بھی پوری ہو جائے گی اور عبداللہ کی جان بھی بچ جائے گی۔'' وہ گئے تو عورت نے رائے دی کہ فدیے کے طور پر دس اونٹوں اور عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالو اور جب تک قرعے میں اونٹ کا نام نہ آئے، تم دس دس اونٹ بڑھاتے جانا۔ قرعے میں ہر بار عبداللہ ہی کا نام آتا، اس طرح ہوتے ہوتے سو اونٹ ہو گئے، تب قرعہ اونٹ کے نام نکلا تو عبداللہ کی جان بچی اور سو اونٹ قربان ہوئے۔

عیدِ قرباں پر گوشت کی فراوانی ہوتی ہے اور وہ غریب لوگ جو گوشت خریدنے کی سکت نہیں رکھتے، وہ بھی خوشی کے اس تہوار میں شامل ہو جاتے ہیں۔

ستمبر کی ۱۱ تاریخ ہمیں بانیِ پاکستان قائداعظم کی یاد بھی دلاتی ہے۔ وفات سے ڈیڑھ دو ماہ پہلے وہ شدید بیمار رہے۔ ڈاکٹر ان کی صحت کی بحالی کے لیے سخت جدوجہد کر رہے تھے۔ آخر معالجین نے انھیں زیارت سے کراچی لے جانے کا فیصلہ کیا۔ پہلے زیارت سے کوئٹہ اور پھر کراچی کے لیے روانہ ہوئے۔ سہ پہر سوا چار بجے جہاز کراچی کے ماڑی پور اڈے پر اُترا۔ وہاں سے ایک ایمبولنس میں گورنر ہاؤس کے لیے روانہ ہوئے، لیکن راستے میں گاڑی خراب ہو گئی۔ گورنر ہاؤس تاخیر سے پہنچے۔ رات دس بج کر پچیس منٹ پر وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

پاکستان ہمارا گھر ہے۔ دشمنوں کی بُری نظر ہمارے گھر پر ہے، لیکن وہ ہمارے فوجی جوانوں کی بہادری اور جانبازی سے خوف زدہ بھی ہیں۔ ہمارے فوجی، دشمنوں سے بھی ہمیں بچاتے ہیں اور قدرتی آفات کے موقعے پر بھی ہماری مدد کرتے ہیں۔ ہمارے دلیر فوجیوں کی عظمت کو دنیا سراہتی ہے۔ ہمیں ان پر فخر ہے۔

اے راہِ حق کے شہیدوں، وفا کی تصویروں
تمھیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جو شخص نرم مزاجی سے محروم رہا، وہ سب بھلائیوں سے محروم رہا۔

مرسلہ : سیدہ ہبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادخان

حضرت ابوبکر صدیقؓ

صبر میں کوئی نقصان نہیں اور رونے میں کوئی فائدہ نہیں۔ مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

حضرت عمر فاروقؓ

موت کو ہمیشہ یاد رکھو، مگر موت کی آرزو کبھی نہ کرو۔ مرسلہ : محمد طلحہ میمن، سانگھڑ

حضرت عثمان غنیؓ

گناہ کسی نہ کسی صورت میں انسان کو بے قرار رکھتا ہے۔ مرسلہ : عبدالرافع، لیاقت آباد

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

جس کو تم سے سچی محبت ہوگی، وہ تم کو فضول اور ناجائز کاموں سے روکے گا۔

مرسلہ : شمین خان، حیدرآباد

شہید حکیم محمد سعید

آدمی کی فطرت ہے کہ وہ اپنی اچھائی سن کر خوش ہوتا ہے۔

مرسلہ : محمد ارسلان صدیقی، کراچی

گوتم بدھ

جو قوم لالچ میں پڑی، وہ ذلت کے گڑھے میں جا گری۔ مرسلہ : شائل ناظم الدین، کراچی

سائرس اعظم

مجھے خاموشی پر کبھی پچھتانا نہیں پڑا، جب کہ بولنے پر پچھتانا پڑا۔ مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

افلاطون

جہالت ساری بُرائیوں کی جڑ ہے۔

مرسلہ : سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

ایڈورڈ یورٹ

وقت اور زمانے کی گھڑی پر نہ تو گھنٹوں اور منٹوں کے نشانات ہیں نہ سوئیاں ہیں، اس پر تو صرف ایک لفظ لکھا ہے: ''ابھی'' مرسلہ : اُنیسہ شاہد، گولیمار

حمدِ باری تعالیٰ

شریف شیوہ

یہ بادل ، یہ بجلی ، ہوا اور پانی
ہے میرے خدا کی سب مہربانی

اُسی نے زمیں پر ہے صحرا بچھایا
پہاڑوں کا قد ہے اُسی نے بڑھایا

ہر اک پیڑ کو سبز چادر عطا کی
جھلکتی ہے ہر شے سے قدرت خدا کی

تھرکنا یہ تتلی کا پھولوں کے اوپر
قطاروں میں اُڑنا پرندوں کا فرفر

چٹانوں سے گرتی ہوئی آبشاریں
اُبھرتی ہوئی ان سے ٹھنڈی پھواریں

اِدھر سے اُدھر گھٹاؤں کا چلنا
گلُوں کا مہکنا ، یہ پیڑوں کا پھلنا

چھلکتے یہ شاخوں کے ہاتھوں میں پیالے
یہ شب کی سیاہی ، یہ دن کے اُجالے

یہ سرسوں کے پھولوں کا سونا اُگلنا
چٹانوں سے چشموں کا ہر دم اُبلنا

بھرے لذتوں سے یہ پھل پیارے پیارے
بڑے شوق سے جن کو کھاتے ہیں سارے

یہ گرمی ، یہ سردی ، یہ بارش ، یہ پت جھڑ
یہ بادِ صبا اور آندھی کی کھڑکھڑ

کناروں کو موجوں کا اُٹھ اُٹھ کے تکنا
یہ سورج کی حدت سے فصلوں کا پکنا

یہ ڈھلنا ہر اک بیج کا بالیوں میں
گلُوں میں مہک اور لچک ڈالیوں میں

ہے کاری گری کا تری شاہ پارہ
زمیں کا ہو یا آسماں کا نظارہ

ہر اک شے کو تخلیق تُو نے کیا ہے
تُو خالق ہے سب کا ، سبھی کا خدا ہے

کرے شکر شیوہ کہاں تک زباں سے
کہ ہے ماورا تُو مکین و مکاں سے

سُریلی آواز

مسعود احمد برکاتی

بعض دور دراز علاقوں میں سمندروں، دریاؤں، صحراؤں اور جنگلوں کے پار وحشی آدمیوں کی ایسی بستیاں ہیں، جن کے لوگ انسان کا گوشت بالکل اس طرح کھاتے ہیں جیسے ہم لوگ خاص خاص جانوروں کا گوشت (جنھیں ہمارے ہاں حلال سمجھا جاتا ہے) شوق سے یا غذائی ضرورت پوری کرنے کے لیے کھاتے ہیں۔

ایسے ہی کسی گھنے جنگل کے قریب واقع ایک گاؤں کا ذکر ہے۔ اس گاؤں کے مقدم کی لڑکی اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ سیر کرنے کے لیے نکلی، تاکہ ہوا خوری کے ساتھ ساتھ تھوڑے پھل بھی جمع کر لائے، جو اس کے گھر سے بہت فاصلے پر جڑی بوٹیوں کے درمیان ملا کرتے تھے۔ سیر کے بعد لڑکیوں نے بہت سارے پھل جمع کیے۔ واپسی کے وقت انھیں اس راستے سے آنا پڑا، جس کے درمیان ایک بڑا تالاب تھا۔ اس وقت گرمی بڑھ گئی تھی۔ تالاب دیکھ کر ان کا جی چاہا کہ تھوڑی دیر ٹھیر کر ٹھنڈے پانی میں کھیل لیں۔ کچھ دیر کھیلنے کے بعد انھوں نے اپنے گاؤں کی طرف چلنا شروع کیا۔

گھر پہنچنے سے پہلے مقدم کی بیٹی کو یاد آیا کہ وہ اپنا زیور تالاب کے کنارے بھول آئی ہے۔

پریشان ہو کر اس نے اپنی سہیلیوں سے کہا: ''ذرا اس تالاب تک میرے ساتھ چلی چلو، تاکہ میں اپنا زیور لے آؤں، ورنہ میرے والدین سخت ناراض ہوں گے۔''

مگر وہ راضی نہ ہوئیں، اس لیے مقدم کی بیٹی اکیلی تالاب کی طرف روانہ ہوگئی اور ساتھ آنے والی سب لڑکیاں اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔

جب وہ لڑکی تالاب کے کنارے پہنچی تو وہاں انسانی گوشت کھانے والے

وحشیوں میں سے ایک وحشی کھڑا تھا۔ جیسے ہی وحشی کی نظر اس لڑکی پر پڑی، اس نے جھپٹ کر لڑکی کو اُٹھا لیا اور ایک بڑے تھیلے میں ڈال کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا۔ اب وہ آفت زدہ لڑکی اس وحشی کی قید میں تھی۔ وہ اسے لادے ہوئے اپنی جھونپڑی کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور اس سے بار بار التجا کرتی جا رہی تھی کہ اسے چھوڑ دے، مگر اس ظالم پر کوئی اثر نہ ہوا۔

پھر ایک خاص بات ہوئی کہ لڑکی کی درد بھری باریک سی آواز وحشی کو بہت پسند آئی اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکا: ''لڑکی! تیری آواز کتنی سریلی ہے۔ میں تجھے آج نہیں کھاؤں گا۔ کل اور پرسوں بھی نہیں کھاؤں گا، بلکہ کبھی نہ کھاؤں گا، مگر یہ صرف اسی صورت میں ہو گا کہ تُو میرا کہنا مانے اور میں جب بھی تجھ سے گانے کی فرمائش کروں تو مجھے گانا سنایا کرے۔''

وحشی کی یہ بات سن کر لڑکی کی ڈھارس بندھی اور اس نے اقرار کیا: ''جب تم کہو گے، میں گانا سنایا کروں گی۔''

یہ سن کر وحشی کے دل میں آئی کہ اس لڑکی کے گانے سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور پھر اس نے یہی کیا۔ لڑکی کو اسی تھیلے میں قید کیے ہوئے گاؤں گاؤں پھرتا رہا۔ جہاں موقع دیکھتا، لوگوں کو اکھٹا کر کے لڑکی کا گانا سنواتا۔ لوگ خوش ہو کر اسے پیسے دیا کرتے اور وہ اچھی خاصی رقم جمع کر کے گھر واپس ہوتا۔ لڑکی بے چاری تھیلے میں بند رہتی اور تھیلے ہی میں گانا گایا کرتی۔

دن اسی طرح گزرتے رہے۔ وحشی اسے لیے جگہ جگہ ہوتا ہوا اس گاؤں میں جا پہنچا، جہاں اس لڑکی کے گھر والے رہتے تھے۔ وحشی کو اس کی خبر نہ تھی کہ لڑکی کا باپ اس گاؤں کا مقدم ہے، نہ لڑکی یہ جانتی تھی کہ وہ اس وقت اپنے گاؤں میں ہے، اس لیے کہ وہ تو تھیلے کے اندر بند تھی اور کچھ دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔

لڑکی نے وحشی کے حکم سے گانا شروع کیا تو اس کی آواز اس کے بھائی نے بھی سن لی۔ وہ پہچان گیا کہ یہ اس کی بہن کی آواز ہے۔ لڑکا فوراً دوڑا ہوا باپ کے پاس پہنچا اور اسے یہ واقعہ سنایا۔ باپ اسی وقت بیٹے کے ساتھ اس جگہ پہنچا، جہاں لڑکی گا رہی تھی۔ آواز سن کر وہ بھی پہچان گیا اور اس نے وحشی شخص سے، جس کی پیٹھ پر تھیلا لدا ہوا تھا، کہا: ''اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمھیں ایک بہت بڑی رقم انعام میں دوں تو قریب کے تالاب پر جاؤ اور جو برتن میں تمھیں دے رہا ہوں، اس میں تالاب کا پانی بھر لاؤ اور اپنا یہ تھیلا اپنے واپس آنے تک یہیں رہنے دو۔''

وحشی فوراً راضی ہو گیا۔ گاؤں کے مقدم نے وحشی کو ایک ایسا برتن دیا، جس میں باریک باریک بہت سے سوراخ تھے۔ وحشی انعام کے لالچ میں وہ برتن لیے ہوئے تالاب کی طرف چلا اور اپنا تھیلا مقدم ہی کے پاس چھوڑ گیا۔

جب وحشی تالاب پر پہنچا تو اس نے برتن میں پانی بھرنے کی کوشش کی، مگر وہ بھرتا بھی تو کیسے۔ اس میں تو بہت سے سوراخ تھے۔ اِدھر یہ پانی بھرتا، اُدھر برتن خالی ہو جاتا۔ اسے اس کا خیال بھی نہ آتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ وحشی نے بڑی محنت کی اور بہت وقت صرف کیا کہ کسی طرح برتن بھر جائے، مگر جب برتن خالی کا خالی ہی رہا تو اس نے سوچا کہ مقدم کے پاس جائے اور اس برتن کے بدلے اس سے دوسرا برتن مانگے۔

مقدم نے وحشی کی بات سنی تو اسے جواب دیا: ''میں نے تم سے اسی برتن میں پانی بھر کر لانے کی بات کی تھی۔ جب تک تم اس میں پانی لے کر نہ آؤ گے، تمھیں کوئی انعام نہیں ملے گا۔ ایسا ہی ہے تو اُٹھاؤ اپنا تھیلا اور چلتے بنو۔''

وحشی سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اس نے وہ تھیلا جو مقدم کے پاس چھوڑ گیا تھا،

اُٹھایا اور پیٹھ پر لاد کر دوسرے گاؤں کی جانب چل پڑا۔ چلتے چلتے وحشی نے دل بہلانے کے لیے لڑکی سے کہا: ''ہاں ذرا، گانا سنا اے لڑکی!''

مگر وحشی کے کئی بار حکم دینے پر بھی لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا، نہ کوئی گانا گایا۔

اب تو وحشی کو بہت زیادہ غصہ آیا۔ منھ سے جھاگ نکلنے لگے۔ وہ اپنے آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ اس نے بہت بگڑ کر دھمکی دی: ''لڑکی! تُو میرا کہنا نہیں مان رہی ہے۔ گا نہیں رہی ہے، اس لیے آج رات میں تجھے ضرور کھا جاؤں گا اور تیرا گوشت دوستوں کو بھی کھلاؤں گا۔''

جب وحشی کو کوئی جواب نہ ملا تو وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اپنے جھونپڑے میں پہنچا، تاکہ اس وقت جو کچھ دل میں ٹھانی ہے، اسے پورا کرے۔

پہلے اس نے اپنے خاص خاص دوستوں کو دعوت دی کہ آج رات کو ایک موٹی تازی لڑکی کا گوشت کھانے میں میرے ساتھ شریک ہوں۔ وحشی تو ایسے موقعے کے منتظر ہی رہتے تھے۔ وہ اس دعوت سے بہت خوش ہوئے اور شام ہوتے ہی اس وحشی میزبان کے گھر جا پہنچے۔ جھونپڑے میں ایک بڑا سا تھیلا رکھا دیکھا تو ان کی بھوک چمک اُٹھی اور وہ سمجھے کہ آج خوب تر مال کھانے کو ملے گا۔

ان لوگوں نے تھیلے کے آس پاس ناچنا شروع کیا اور دیر تک گاتے بجاتے رہے۔ جب خوب جوش میں بھر گئے تو ان کے کہنے سے میزبان وحشی تھیلے کا منھ کھولنے کے لیے اس کے قریب گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا: ''بھائیو! تیار ہو جاؤ، اپنے ہاتھ بڑھاؤ، ایسا نہ ہو کہ لڑکی نکل بھاگے اور ہم منھ دیکھتے رہ جائیں۔''

یہ کہہ کر اس نے تھیلے کا منھ کھول دیا اور ایسا کرنا ہی غضب ہو گیا۔ تھیلے کا منھ کھلتے ہی اس میں سے سانپ، بچھو، اژدھے اور دوسرے نہایت زہریلے جانور نکل پڑے اور

وحشی آدمیوں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ وحشیوں کو اپنا بچاؤ کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔ جتنے مہمان دعوت اڑانے آئے تھے، وہ خود ان موذی جانوروں کی دعوت کا سامان بن گئے۔ یہ قیامت، جو ان وحشیوں پر ٹوٹی تھی، اس لڑکی کی مصیبت کا انتقام بن گئی، جسے وہ وحشی آج اپنے دوستوں کے ساتھ تکا بوٹی کرنے پر تلا ہوا تھا۔ لڑکی کی زندگی تھی، اس لیے وہ ان وحشیوں کی خوراک نہ بننے پائی۔ اُلٹے یہی لوگ موذی جانوروں کا لقمہ بن گئے۔

ہوا یہ کہ جس وقت یہ میزبان وحشی انعام کے لالچ میں مقدم کے کہنے سے سوراخ دار برتن لے کر تالاب کی طرف چلا۔ مقدم نے فوراً تھیلے کا منھ کھلوا کر اپنی لڑکی کو نکالا۔ جب اس نے بھائی اور باپ کو کھڑے دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ وہ بے اختیار اپنے باپ سے لپٹ گئی اور دیر تک سسک سسک کر روتی رہی۔ جب حواس ٹھیک ہوئے تو بھائی کے ساتھ اپنی ماں کے پاس پہنچی۔

مقدم، وحشی کی اس ظالمانہ حرکت سے بہت غصے میں تھا۔ اُدھر وحشی تالاب پر گیا اِدھر مقدم نے اس سے اپنی بیٹی کا بدلہ لینے کے لیے تدبیر کی کہ جلدی جلدی اپنے آدمیوں سے خوف ناک موذی جانور سانپ، بچھو اور اژدھے وغیرہ پاس پڑوس سے منگوا کر تھیلے میں بھروا دیے اور اس کا منھ پہلے کی طرح مضبوطی سے باندھ دیا۔ اس بات کا خیال رکھا کہ ان سب جانوروں کا وزن لڑکی کے وزن کے برابر ہو، تاکہ جب وحشی تالاب سے واپس آئے تو کوئی شک وشبہ کیے بغیر تھیلا پیٹھ پر لاد کر چلتا بنے۔

اس طرح مقدم نے انتقام کا جو منصوبہ بنایا تھا، پورا ہو گیا اور آدم خور وحشی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ ☆

حیاتِ قائداعظم

نسرین شاہین

قائداعظم نے ۱۵- جون کو کوئٹہ میونسپلٹی سے خطاب فرماتے ہوئے کہا تھا: ''ہماری شناخت ''پاکستانی'' ہے۔ بلوچی، پٹھان، سندھی، پنجابی یا کچھ اور نہیں اور ہمیں پاکستانی ہونے کی حیثیت سے ہی اپنی جدو جہد کو جاری رکھنا ہے۔ ہمارے لیے پاکستانی ہونا قابلِ فخر بات ہے، کسی اور حوالے یا شناخت پر نہیں۔''

پاکستان کے قیام کے شروع میں قائداعظم محمد علی جناح نے قومی ترقی و استحکام کے اس راز کو ظاہر کر دیا تھا کہ اپنی قومی شناخت پر فخر ہی ہمیں اس ملک کی تعمیر و ترقی کی جدو جہد پر ثابت قدم رکھ سکتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء بروز اتوار کو کراچی کے محلے کھارادر میں جناح پونجا کے گھر پیدا ہوئے۔ جناح پونجا چمڑے کے تاجر تھے۔ محمد علی جناح تھوڑے بڑے ہوئے تو ان کے والد نے انھیں اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر واقع اسکول سندھ مدرسۃ الاسلام میں داخل کروا دیا۔

انھی دنوں بمبئی سے ان کی پھوپی مان بائی کراچی آئیں اور انھوں نے اپنے بھائی جناح پونجا سے محمد علی جناح کو اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اجازت ملنے پر وہ انھیں اپنے ساتھ لے گئیں اور انجمنِ اسلام اسکول میں داخل کروا دیا۔ بھرپور توجہ اور انتھک محنت سے آپ نے گجراتی کی چوتھی جماعت میں نمایاں نمبروں سے کامیابی حاصل کی، جس کی بدولت آپ کو انگریزی کی پہلی جماعت میں داخلہ لینے کی اجازت مل گئی۔ پرائمری تعلیم انھوں نے گوکل داس پرائمری اسکول سے حاصل کی۔

بمبئی میں محمد علی جناح تعلیم حاصل کر رہے تھے، اِدھر کراچی میں ان کی والدہ مٹھی بائی ان کی جدائی میں اُداس رہنے لگیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر جناح پونجا نے محمد علی جناح کو واپس کراچی بلا لیا اور ۲۳ دسمبر ۱۸۸۷ء کو سندھ مدرستہ الاسلام میں دوبارہ داخل کروا دیا۔ جناح پونجا کے دوست گراہم ٹریڈنگ کمپنی کے جنرل منیجر سر فریڈرک کرافٹ نے (جو محمد علی جناح کی ذہانت، ذوق اور عادات واطوار سے بہت متاثر تھے) جناح پونجا کو مشورہ دیا کہ وہ انھیں اعلا تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن بھیج دیں۔ سولہ سال کی عمر میں محمد علی جناح نے میٹرک پاس کیا تو والدہ نے اپنی خواہش کے مطابق آپ کی شادی ایمی بائی سے کر دی۔

۱۸۹۲ء میں محمد علی جناح انگلستان پہنچے۔ بیرسٹر بننے کے لیے انھوں نے وہاں کی معروف درس گاہ ''لنکن اِن'' میں داخلہ لیا۔ بار ایٹ لا کا امتحان ۱۸۹۵ء میں پاس کیا۔ انھوں نے بار میں داخلہ حاصل کرنے والے ہندستان کے سب سے کم عمر طالب علم ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۸ برس تھی۔ ۱۸۹۶ء میں بمبئی ہائی کورٹ میں وکیل کی حیثیت سے رجسٹریشن حاصل کیا اور پریکٹس شروع کی۔ اس وقت ان کی عمر ۲۰ برس تھی۔ محمد علی جناح ریذیڈنسی مجسٹریٹ کے عہدے پر (مسٹر ہوشنگ کی تین ماہ رخصت کے دوران) عارضی مجسٹریٹ بھی رہے۔ لندن میں رہ کر زمانۂ طالب علمی ہی سے سیاست میں دل چسپی ہوگئی۔ انھوں نے مختلف لائبریریوں کی ممبر شپ حاصل کی تھی اور سیاست، ادب اور دیگر کتابوں کا مطالعہ کیا اور مشہور شخصیات کی سوانح حیات کا مطالعہ بھی بڑے شوق سے کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے: ''ہمیں انگلستان میں رہ کر ایک طالب علم کی حیثیت سے وہ سب کچھ حاصل کرنا چاہیے، جو انگریزوں نے صدیوں میں حاصل کیا۔''

لندن میں محمد علی جناح کی ملاقات ہندستان کے ایک بڑے سیاسی مدبر دادا بھائی نوروجی سے ہوئی۔ وہ لندن انڈین سوسائٹی کے صدر تھے۔ یہیں سے آپ کی سیاست کا آغاز ہوا۔

بمبئی پہنچے تو والد کے ایک دوست کے توسط سے ان کی ملاقات بمبئی کے ایک قابل ایڈوکیٹ جنرل مسٹر میکفرسن سے ہوئی۔ انھوں نے آپ کی قابلیت سے متاثر ہو کر اپنی قیمتی و نایاب لائبریری کے دروازے کھول دیے۔ محمد علی جناح سے پہلے کسی ہندستانی کو اس لائبریری میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں موجود کتابوں سے آپ نے بہت فائدہ اُٹھایا۔ جو مقدمہ بھی ہاتھ میں لیا، وہ جیتا۔ چند ہی دنوں میں آپ کے پاس مقدمات کا تانتا بندھ گیا۔ تقریباً ایک برس میں آپ کا شمار نامور وکیلوں میں ہونے لگا۔

۱۹۳۰ء میں ایک بار پھر انگلستان گئے، جہاں چار سال تک بیرسٹری کی۔ ان چار برسوں کی محنت کے بعد اپنی بے مثال ذہانت اور غیر معمولی قابلیت سے وہاں کے اونچے حلقوں میں بھی ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔ ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا کانگریس میں شمولیت اختیار کی۔ اس وقت یہ واحد ایسی جماعت تھی، جو برصغیر کی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔ کانگریس کے سالانہ اجلاس میں کلکتہ کے مقام پر پہلی بار عوامی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر تقریر کی۔ آپ نے ہمیشہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے حق میں آواز اُٹھائی، مگر ہندوؤں نے اپنے مفاد کی خاطر انگریز حکومت کا ساتھ دیا۔ محمد علی جناح بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور پاکستان حاصل کرنے کی جستجو کرتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۱ برس تھی۔ بطور گورنر جنرل آپ ایک روپیہ تنخواہ لیتے تھے۔ ہمارے یہ عظیم رہنما ۱۱۔ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قوم کو روتا چھوڑ گئے۔ ☆

پیکرِ عزمِ یقیں

ریاض حسین قمر

پیکرِ عزمِ یقیں تھے قائداعظم مرے
سب کے دل میں جاگزیں تھے قائداعظم مرے

سونپ دی تھی قوم نے جو آپ جیسے شخص کو
اس امانت کے امیں تھے قائداعظم مرے

خوف کھاتے وہ کسی سے ماسوائے ربِ پاک
بالیقیں ایسے نہیں تھے قائداعظم مرے

قوم کے سردار کی سب خوبیاں تھیں آپ میں
باصفا خندہ جبیں تھے قائداعظم مرے

لائقِ صد آفریں تھی بُردباری آپ کی
ہوش مند بھی بالیقیں تھے قائداعظم مرے

نہ بکے، نہ جھک سکے اغیار کے آگے کبھی
قابلِ صد آفریں تھے قائداعظم مرے

کر دیا مسحور ساری قوم کو جس نے قمرؔ
وہ صدائے دلنشیں تھے قائداعظم مرے

اُصول پرست جناح

سنہ ۱۹۰۳ء کا ذکر ہے۔ بمبئی ہائی کورٹ میں ایک اہم مقدمہ پیش تھا۔ مجمع اتنا تھا کہ عدالت کے دروازے بند کرنے پڑے۔ یہاں ایک گوشہ وکیلوں کے لیے مخصوص تھا۔ محمد علی جناح بھی مقدمہ سننے کے لیے وکیلوں کے گوشے میں گئے تو دیکھا کہ کوئی نشست خالی نہیں ہے۔ سب کرسیوں پر نظر دوڑائی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کرسی پر میونسپل کارپوریشن کے صدر جیمز میکڈانلڈ بیٹھے ہیں۔ میکڈانلڈ صاحب ایک تو انگریز اور پھر بمبئی کارپوریشن کے صدر۔ شہر میں ان کا رعب تھا۔ کس کی جرأت تھی کہ ان کو ٹوکتا کہ یہ گوشہ صرف وکیلوں کے لیے مخصوص ہے، مگر محمد علی جناح بھی اپنے نام کے ایک تھے۔ میکڈانلڈ صاحب کے پاس پہنچے اور بلا تامل بولے: ''جناب! آپ جس گوشے میں بیٹھے ہیں یہ حصہ وکیلوں کے لیے مخصوص ہے۔''

میکڈانلڈ صاحب کو اپنی شخصیت کا غرور تھا۔ انھوں نے سنی اَن سنی کر دی۔ تب جناح صاحب عدالت کے منشی کے پاس پہنچے اور کہا: ''میکڈانلڈ صاحب وکیلوں کے گوشے میں بیٹھے ہیں۔ انھیں وہاں سے اُٹھایا جائے۔'' منشی کی کیا مجال تھی کہ میکڈانلڈ صاحب سے کرسی خالی کرنے کے لیے کہتا۔ اس نے بحث کرنا شروع کر دی۔ جناح صاحب نے جب اس کا یہ رویہ دیکھا تو دھمکی دی کہ کرسی خالی کراؤ، ورنہ میں جج سے تمھاری شکایت کروں گا۔ بے چارہ منشی ڈرتا ڈرتا میکڈانلڈ صاحب کے قریب پہنچا اور اس نے ادب سے ساری بات کہی۔ میکڈانلڈ صاحب بھی کمال کے آدمی نکلے۔ انھیں محمد علی جناح کی یہ ادا بھا گئی۔ جان لیا کہ وکیل اُصول پرست ہے۔ معلوم کیا کہ یہ کون وکیل ہے! کیا نام ہے! پھر دوسرے، تیسرے دن ایک ہزار روپے ماہانہ کی فیس پر کارپوریشن کے عدالتی معاملات ان کے سپرد کر دیے۔ لیجیے، شہر میں محمد علی جناح کی دھوم مچ گئی۔ (انتظار حسین کی تحریر ''عظمت کے گہوارے میں'' سے لیا گیا)

حمزہ کا بکرا

محمد حذیفہ خاور

حمزہ نے اک بکرا پالا
اپنی جیسی صورت والا

لمبے لمبے کانوں والا
پتلی پتلی ٹانگوں والا

رنگت اس کی کالی کالی
حمزہ کو شرمانے والی

صورت سے معصوم تھا بکرا
سینگوں سے محروم تھا بکرا

اچھا خاصا قد تھا اس کا
غصہ بھی بے حد تھا اس کا

احمد کی جو شامت آئی
پاس گیا اور ٹکر کھائی

راشد برگر کھاتا آیا
بکرے کو للچاتا آیا

بکرا غصے میں بِھنّایا
''برگردو'' ، بکرا چلّایا

برگر کا ایک ٹکڑا لے کر
ڈرتے ڈرتے آگے بڑھ کر

راشد نے جب ہاتھ بڑھایا
بکرے نے وہ ہاتھ چبایا

احسان مند

م ۔ص ایمن

وہ بولے: ''تمھیں تو آج آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ تمھاری بیوی اسپتال میں ہے تو تمھیں اس کے قریب ہی رہنا چاہیے تھا۔ کسی بھی وقت، کسی بھی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

میں نے کہا: ''اس کے پاس رہ کر کیا کروں گا؟ سارے کام پیسوں سے ہوتے ہیں۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کام کرتا ہوں تو کچھ رقم ملتی ہے۔''

انکل بولے: ''تو اور کون ہے اس وقت تمھاری بیوی کے پاس؟''

میں نے بتایا کہ کوئی بھی نہیں ہے۔

''کوئی بھی نہیں؟'' وہ حیران ہوئے: ''تمھارے بہن بھائی، ماں باپ......''

میں نے کہا: ''ماں باپ فوت ہو چکے ہیں، بھائی اپنے اپنے گھروں کے مالک ہیں، میں کرائے کے گھر میں رہتا ہوں۔''

''تو باجی! ساری بات سننے کے بعد انکل نے مجھے سو روپے نہیں دیے۔'' منصور کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ بازو سے اس نے اپنی آنکھیں پونچھیں۔

یہ سب بڑی محویت سے اس کی کہانی سن رہی تھیں۔

''پھر کیا کیا انکل نے......؟'' شائستہ پوچھ بیٹھی۔

''پھر مجھے ایک ہزار روپے دیتے ہوئے وہ بولے: ''جاؤ، پہلے ناشتا کرو، خود بھی اور اپنی بیوی کو بھی ناشتا کراؤ۔ فارغ ہو کر میرے پاس آ جانا۔ پھر بات کرتے ہیں۔''

میں نے کہا: ''میں اس بازار میں دوبارہ نہیں آنا چاہتا۔ آپ مجھے صرف سو روپے دے

دیں، میں گھر چلا جاؤں۔''

''تمھارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ نہ تمھارے پاس کام ہے۔ تمھاری بیوی اسپتال میں ہے۔ دس مسائل ہیں تمھارے ساتھ...... اور تم گھر جانا چاہتے ہو۔ پاگل تو نہیں ہو؟''

''پھر آپ بتائیں میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں۔'' میں نے بے چارگی سے کہا۔

بولے: ''تم جاؤ اپنی بیوی کے پاس۔ علاج کراؤ، پھر میرے پاس آنا۔ اس دوران میں تمھارے لیے کچھ سوچتا ہوں، جاؤ میں بھی جب تک کام کر لوں۔''

''مختصر بتاؤں باجی! کہ میں ان سے ہزار رپے لے کر اسپتال چلا گیا۔ بیوی کو اسپتال کی طرف سے ناشتا مل گیا تھا۔ خود ناشتا کیا۔ دوائیں خریدیں، باقی پیسے بیوی کو دیے کہ اگر کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو کچھ نہ کچھ رقم پاس ہونا چاہیے اور خود اس محسن انکل کے پاس بازار چلا گیا کہ شاید مجھے اپنے پاس کام پر رکھ لیں گے اور جس کی اُجرت مجھے پہلے دے دی گئی ہے۔

تو باجی! انکل نے مجھے غبارے کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا کہ یہ لو، ان غباروں میں ہوا بھر کے دھاگے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے باندھو اور بازار کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ۔ بازار میں گھومو، چکر لگاؤ۔ بچوں والی فیملی کو دیکھو اور ان کے ساتھ بچوں کو غبارہ پکڑاؤ۔ ان کے بڑے تمھیں پیسے دیں گے۔ یہ تھیلی اسّی رپے کی ہے۔ تین رپے کا ایک اور پانچ رپے کے دو غبارے بیچو۔ اسّی رپے مجھے دے دینا، منافع سارا تمھارا۔ تو باجی! میں نے یہی کیا۔ دو تین گھنٹے میں تین سو رپے ہو گئے میرے پاس۔ بہت سے غبارے پھر بچ گئے تھے۔ میں اب پُر اعتماد ہو گیا تھا۔ میں انکل کے پاس گیا۔ انھیں اسی رپے دینے کی کوشش کی تو وہ بولے: ''یہ رکھو! بڑے بازار سے ان رپوں کے غبارے خود خرید کر لاؤ اور سارے بازاروں میں گھوم پھر کر بیچو...... مت کرو کسی کی نوکری۔''

''بس باجی! وہ دن ہے اور آج کا دن، میں غبارے ہی بیچ رہا ہوں۔ میں نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ کسی کی ملازمت نہیں کی۔ کسی کی ڈانٹ نہیں سنی۔ وہ انکل میرے لیے

فرشتہ ثابت ہوئے۔ ان کی رہنمائی سے اب میں کرائے کا مکان چھوڑ کر اپنے ذاتی مکان میں ہوں۔ مکان کا ایک حصہ کرائے پر بھی دے رکھا ہے۔ الحمدللہ! تین بچے ہیں۔ دو بچے پڑھ رہے ہیں۔ آج وہ انکل مجھے یہیں نظر آ گئے۔ انھوں نے مجھے اچھائی کا سبق دے کر کتنا بڑا احسان مجھ پر کیا ہے' اس کی پلکیں پھرڈبڈبانے لگی تھیں۔

شائستہ بولی: ''ہونہہ! تو اس انکل کے احسان کا بدلہ بچوں کو غبارے دے کر اُتار رہے ہو؟''

''آپ یہی سمجھ لیجیے۔''

''اس کا مطلب ہے، حقیقت کچھ اور ہے اور بات ختم کرنے کے لیے تم ہمیں ٹال رہے ہو۔'' شائستہ کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

''نہیں نہیں، آپ ٹھیک ہی سمجھی ہیں، لیکن میں سارے بچوں کو غبارے مفت نہیں دیتا، صرف آپ کے بچوں کو دیے ہیں۔'' وہ یک بیک گڑبڑا گیا۔

''تو پھر یہ بھی بتا دو کہ اس سارے قصے میں یہ کہاں ہے کہ ہم تمھاری بہنیں ہیں اور تم ہمارے بھائی ہو؟''

''یہ میں آپ کو ضرور بتاؤں گا باجی! لیکن یہاں نہیں بتا سکوں گا۔''

اچانک ہی اس کی آنکھیں اشکوں سے بھر گئیں۔ اب کے اس کے لبوں سے درد بھری آہ بھی نکلی، پھر وہ بغیر کوئی بات کیے وہاں سے چلا گیا۔

آئس کریم پگھل کر پانی ہو رہی تھی۔ انھوں نے بچوں کو آئس کریم کھانے کا اشارہ بھی نہ کیا تھا اور بچوں نے بھی ندیدے پن کا مظاہرہ نہ کیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ سب معاشرے کے اس انوکھے کردار پر تبصرہ کر رہی تھیں کہ آئس کریم پارلر کا لڑکا آیا اور دیکھا، آئس کریم ابھی تک ٹرے میں جوں کی توں رکھی ہیں۔ لڑکا بولا: ''باجی! منصور بھائی کہہ گئے ہیں کہ یہ واپس کر دیں، آپ کو اور لا دیتا ہوں۔''

''نہیں رہنے دو، ہم یہی کھا لیں گے۔'' سو انھوں نے منصور کی دعوت قبول کر لی اور

اسے مزید نقصان سے بچا لیا۔

پھر وہ سب اُٹھیں اور جس جھولے پر ان کے بچے بیٹھتے، جھولے والا ان سے پیسے نہ لیتا۔ سب منصور کا نام سن کر ان کی عزت کرتے۔ انھیں عجیب سا احساسِ تفاخر تھا۔ گویا منصور نہیں، بلکہ وہ خود اس پارک کے مالک ہوں۔

ان سب کی آنکھیں منصور کو تلاش کرتی رہیں، لیکن وہ کسی کو بھی نظر نہ آیا۔

کسی نے کہا: ''چلو شکر ہے، وہ خود ہی چلا گیا۔''

سیر سپاٹے سے ان کی جی بھر گیا۔ ادھر سورج ڈھلنے کی تیاری میں تھا۔ انھوں نے بھی بچوں کو ذہنی طور پر تیار کر لیا کہ بس بھئی، اب چلنے کی تیاری کرو۔ نانا ابو گیٹ پر بیٹھے کب سے انتظار کر رہے ہیں۔

وہ پارک کے صدر دروازے پر پہنچیں، جہاں ان کے ابو ان سب کا انتظار کر رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر وہ بھی کھڑے ہو گئے: ''بہت دیر کر دی بیٹا! میں نے کہا تھا کہ ذرا پہلے آ جانا۔ مغرب کی نماز میں گھر جا کر ہی پڑھوں گا۔''

''السلام علیکم۔'' ابھی وہ ابو کو جواب دینے بھی نہ پائی تھیں کہ منصور جانے کہاں سے آن ٹپکا۔ شاید وہ مرکزی دروازے کے باہر ہی ان کا منتظر تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' بڑے میاں نے سرسری سا جواب دیا۔ انھوں نے اس بے جا مداخلت پر بُرا منایا تھا کہ وہ اس وقت گھر والوں کے ساتھ تھے۔

انکل! آپ نے مجھے پہچانا؟'' منصور نے ان کی جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

بڑے میاں کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق تک نہ اُبھری۔ انھوں نے نفی میں سر ہلایا، تاہم منصور سے مصافحہ کر ہی لیا۔

''میں منصور ہوں انکل! آپ ہفتہ وار بازار میں اسٹال لگاتے تھے، پھر آپ نے کسی دوسری جگہ دکان لے لی تھی، مجھے پتا نہیں چل سکا۔'' منصور نے یاد دلایا۔

وہ سوچ میں پڑ گئے۔

''میں آپ کے پاس آیا تھا اور میں نے آپ سے سو روپے مانگے تھے۔''

''آپ نے مجھے سو کے بجائے ہزار روپے دیے تھے۔''

اب ان بزرگ نے چندھیائی آنکھوں سے اسے غور سے دیکھا۔ گویا منصور نے ان کی یادداشت بحال کر دی تھی۔

''آپ نے مجھے غبارے کی ایک تھیلی دی تھی۔''

''ہاں ہاں، اچھا اچھا...... یہ تم ہو؟'' ان کی آنکھیں پوری کھل گئیں، وہ مسکرائے۔

''میں نے آپ کو گھر والوں کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ میں نے سوچا کہ پہلے آپ کے گھر والوں کی خدمت کر لوں، پھر آپ سے ملوں گا۔''

اب انھوں نے منصور کو گلے لگایا۔ ان کی بیٹیاں مسکرا اُٹھیں، بچے بھی خوش ہوئے۔

انھوں نے پوچھا: ''بھئی! کیسے ہو تم؟ ٹھیک تو ہو نا؟''

منصور بولا: ''جی انکل! بالکل ٹھیک ہوں۔ جو حکم آپ نے مجھے پندرہ سال پہلے دیا تھا، میں آج تک اسی پر عمل کر رہا ہوں۔''

''بھئی! میں سمجھا نہیں تمھاری بات!''

''میں بے حد پریشان تھا۔ میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ آپ نے مجھے غبارے بیچنے کا حکم دیا تھا، میں جب سے غبارے ہی بیچ رہا ہوں۔ غبارے بیچ کر بچت کر کے میں نے ایک مکان خرید لیا ہے، میرے بچے اچھے اسکول میں پڑھ رہے ہیں۔''

''بھئی واہ! مجھے خوشی ہوئی...... تم نے میرے مشورے پر مستقل مزاجی سے عمل کر کے ترقی حاصل کی۔'' بزرگ واقعی خوش ہوئے تھے۔

''میں چاہتا ہوں انکل! آپ میرے ساتھ گھر چلیں۔ میرا گھر قریب ہی ہے۔ دیکھیں

کہ میں نے کتنی ترقی کی ہے۔''

''نہیں بیٹا! آج نہیں، میں پھر کسی وقت اکیلا آیا تو تمھارا گھر دیکھ لوں گا۔ آج بچے ساتھ ہیں۔'' انھوں نے ٹالا۔

''سب میرے ساتھ چلیں گے۔ میں نے آپ سب کی دعوت کا انتظام کیا ہے۔ میرے گھر آپ سب کا انتظار ہو رہا ہے۔''

''نہیں بھئی! یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم پہلے ہی بہت لیٹ ہو گئے ہیں۔ پھر کبھی سہی۔''

''باجی! آپ میری سفارش کر دیں نا۔'' وہ بڑی لجاجت کے ساتھ شائستہ سے مخاطب ہوا: ''میں آپ سب کے رات کے کھانے کا انتظام کر کے آیا ہوں۔''

شائستہ سمجھ گئی کہ اسی لیے وہ انھیں پارک میں دکھائی نہیں دیا تھا۔

''نہیں بھئی، ہمارے گھر میں بھی ہمارے لیے سب تیاری ہو چکی ہے۔ وہ کون کھائے گا؟'' انکل نے گویا حتمی فیصلہ سنا دیا۔

''اپنے گھر تو آپ روز ہی کھانا کھاتے ہیں انکل! آج اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے اس کے گھر کو رونق بخشیے۔ چلیے نا انکل! میں گھر میں کہہ کر آیا ہوں کہ میری بہنیں، بھانجے، بھانجیاں اور میرے ابو آ رہے ہیں۔''

انھوں نے پھر انکار میں سر ہلایا، لیکن شائستہ نے منصور کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا: ''ٹھیک ہے منصور! ہم سب چلیں گے تمھارے ساتھ۔''

بڑے صاحب نے شائستہ کی طرف دیکھا۔ اس کی پلکوں سے موٹے موٹے اشک موتی بن کر جھانک رہے تھے۔

☆☆☆

ہمارا بکرا

شمس القمر عاکف

عید قرباں پہ جو اس بار ہے آیا بکرا
ہم نے پہلے نہیں دیکھا کبھی ایسا بکرا

سبھی انداز ہیں کچھ ایسے نرالے اس کے
چار ہی دن میں بنا آنکھ کا تارا بکرا

جب سے اس شوخ نے اس گھر میں قدم رکھا ہے
اہلِ خانہ کی زبانوں پہ ہے ، بکرا بکرا

دوستو! ہم نے ہزاروں میں چُنا ہے اس کو
ساری منڈی میں نہ تھا ایسا سجیلا بکرا

مالداروں نے خریدے کئی مہنگے بکرے
اس کی ٹکر کا محلے میں نہ آیا بکرا

ٹوٹ جائیں نہ کہیں کانچ کے برتن گھر کے
تان کچھ ایسی اُڑاتا ہے ، سُریلا بکرا

اس کی قربانی کو مقبول بنا دے یارب!
ہے دل و جان سے حاضر یہ ہمارا بکرا

کنجوس کی قربانی

ادیب سمیع چمن

مرزا صاحب محلے میں انتہائی کنجوس مشہور تھے۔ ان کا ایک لاکھ روپے کا انعامی بونڈ کھل گیا۔ بونڈ کھلنے کا سن کر ایک دن ان کے دوست منشی صاحب ان سے ملنے گھر آ گئے اور بولے: ''میاں نصیب دشمناں، کیا بات ہے مرزا صاحب! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کو چین نہیں مل رہا ہے۔ میاں! میری مانو تو اس عید پر تم گائے کی قربانی کر دو۔''

''ہاں، سوچ تو میں بھی رہا ہوں۔ تمھاری بھابی بھی مجھے بار بار قربانی کا مشورہ دے رہی ہیں۔''

منشی جی بولے: ''تو پھر دیر کا ہے کی ہے؟''

''مگر بھائی! گائے کی قیمتیں بہت ہیں۔ صرف ایک لاکھ روپے ہیں، خواہش ہزاروں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ قربانی بھی ہو جائے اور رقم بھی نہ جائے، ایسا مشورہ دو بھائی!'' مرزا صاحب نے منشی جی کو اپنی بے چینی سے آگاہ کرتے ہوئے حالِ دل بتایا۔

''اوہو...... تو یوں کہو میاں! کہ کام ہو نہ ہو، نام ہو جائے اور رقم بھی نہ جانے پائے۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ تم فکر نہ کرو، میرے پاس ایسی ترکیب ہے کہ تمھاری رقم بھی رہے گی اور شہرت بھی ہو جائے گی۔'' منشی جی نے گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔

''ہیں! کون سی ترکیب میاں جی! رقم بھی رہے اور گائے بھی آ جائے۔''

مرزا جی کی بے چینی قابلِ دید تھی۔

''لیکن میاں! وعدہ کرو، مجھے دس ہزار روپے انعام دو گے۔''

''دس ہزار...... وہ کیوں؟'' مرزا جی نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

'' وہ یوں کہ مجھے ایک ایسی جگہ معلوم ہے، جہاں سے بکرے، گائے وغیرہ کرائے پر ملتے ہیں۔''

''کرائے پر، کیا مطلب؟'' مرزا جی نے حیرت سے پوچھا۔

''شہر میں کچھ لوگوں نے یہ کاروبار کر رکھا ہے۔ وہ کرائے پر بکرے، دنبے، گائے وغیرہ دیتے ہیں۔''

''اچھا جی، وہ کیسے، جلدی سے بتاؤ؟'' مرزا جی نے خوشی سے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔

''میاں! وہ ایسے کے عید سے دو دن پہلے میں تمھیں کرائے پر گائے دلوا دوں گا۔ تم اسے گھر کے باہر باندھنا۔ سمجھے! اور اس کی قربانی تباسی عید کو کرنے کا اعلان کرنا۔''

''اچھا، ہاں...... پھر پھر؟'' مرزا جی نے پھڑکتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔

''تباسی عید کو صبح ہونے سے پہلے گائے واپس کر دینا۔ میں بھنگی سے کہہ دوں گا، وہ آپ کے گھر کے آگے گائے کی اوجھڑی اور آنتیں ڈال دے گا، تا کہ پتا چلے کہ تم قربانی کر چکے ہو۔''

مگر بھائی! محلے والوں کو اگر پتا چل گیا تو؟'' مرزا جی نے خدشہ کا اظہار کیا۔

''کس کو اتنی فرصت ہوگی۔ تھکے ہارے لوگ عام دنوں میں بارہ بارہ بجے سو کر اُٹھتے ہیں۔ صبح اندھیرے میں کون دیکھنے آئے گا۔ بس تم محلے سے آنے والے گوشت کی تھیلیاں بنا بنا کر رکھنا فریج میں، وہی جو دو دن میں جمع ہو گیا ہوگا۔ ایک گھر کا گوشت

دوسرے گھر بچے کے ہاتھوں بھیجتے رہنا۔''

''ہاں، ترکیب تو واقعی قابلِ عمل ہے، مگر فریج کا ٹھنڈا گوشت دیکھ کر لوگ شک نہیں کریں گے؟'' مرزا جی نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

''لومیاں! تم نرے بدھو ہو۔ ارے بھائی! آج کل سخت گرمی ہے۔ آپ فریج شدہ گوشت کی تھیلیاں رات ہی کو فریج سے باہر نکال کر پنکھا چلا کر رکھ دینا، ہوا سے گوشت کی ٹھنڈک ختم ہو جائے گی۔''

''اچھا تو کب چلیں گے کرائے کی گائے لینے؟'' مرزا جی نے بے چینی سے پوچھا۔

''ابھی نہیں بھئی! عید سے دو دن پہلے چلیں گے۔ گائے باہر باندھ کر سب کو دکھاتے رہنا۔ چارہ دانہ بھی باہر ہی کھلاتے رہنا۔ رات کو گھر میں باندھنا۔''

''گھر میں جگہ کہاں ہے!'' مرزا جی نے کہا۔

''میاں! باہر باندھ لینا۔ آج کل تو گرمیاں ہیں، تم باہر ہی چارپائی ڈال کر وہیں سو جانا۔ چار دن کی تو بات ہوگی۔''

''ایسا نہ کروں کہ رات کو کلو گدھا گاڑی والے کے ہاں باندھ دیا کروں، کیا خیال ہے؟'' مرزا جی نے خیال بتایا۔

''بس ٹھیک ہے، تو پھر کام بن گیا۔''

بے چینی سے کچھ دن گزرے تو منشی جی، مرزا کو گائے بکرا کرائے پر ملنے کی جگہ لے گئے۔

''میاں! کیا شرائط ہوں گی؟'' مرزا جی نے معلوم کیا۔

''انکل جی! کرایہ پانچ ہزار ہوگا۔ عید کے تیسرے دن صبح ہونے سے پہلے

ہمارے آدمی گائے واپس لینے آئیں گے۔''

''چلوٹھیک ہے۔'' گائے پسند کر کے مرزا جی سوزوکی میں گائے لے کر آ گئے۔

مرزا جی نے گائے کو گھر کے باہر باندھ دیا۔

سارے محلے میں مرزا جی کی گائے کی دھوم مچ گئی۔ لوگوں نے مبارک باد دینا شروع کر دیں۔

واہ بھئی واہ۔ بہت شان دار گائے ہے۔ مرزا جی! کتنے کی ہے؟''

''میاں! ایک لاکھ دس ہزار کی ہے۔'' مرزا جی نے فخریہ انداز میں بتانا شروع کر دیا۔

سارے ہی محلے میں مرزا جی کی گائے کی شہرت پھیل گئی تھی۔

عید کی صبح ہی سے محلے کے گھروں سے مرزا جی کے گھر گوشت آنا شروع ہو گیا۔

''واقعی منشی جی نے ٹھیک ہی کہا تھا، لو منشی جی بھی آ گئے۔'' مرزا صاحب نے کہا۔

''عید مبارک، واقعی منشی جی آپ نے صحیح کہا تھا۔'' مرزا جی نے حیرت سے کہا۔

''میں اپنا انعام لینے آیا تھا مرزا جی! آپ نے کہا تھا، عید کے روز دوں گا۔''

منشی جی نے سوئیاں کھاتے ہوئے کہا۔

مرزا جی نے پانچ ہزار روپے منشی جی کے ہاتھ میں تھما دیے۔ منشی جی اپنی فیس لے کر رخصت ہو گئے۔

عید کے تیسرے دن فجر کے وقت ہی کرائے پر گائے دینے والے مرزا جی کے گھر حسبِ وعدہ گائے واپس لینے آئے تھے۔

''ہاں، ہاں چلیے، ابھی محلے میں سناٹا ہے، کوئی نہیں ہے۔ اچھا کیا آپ آ گئے، چلیے۔''

مرزا جی گدھا گاڑی والے کے پاس پہنچے: ''کلو بھائی! ہماری گائے دے دیں۔'' مرزا جی نے گدھا گاڑی والے کو جگاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہاں کنڈی کھول کر لے جاؤ۔ اندر بلب جلا رکھا ہے۔''

''اچھا شکریہ۔'' مرزا جی نے بڑا دروازہ کھولا۔ اندر ایک بلب روشن تھا، مگر گائے نظر نہیں آ رہی تھی۔ مرزا جی نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''ہیں ...... گائے کہاں ہے؟'' وہ بڑبڑائے: ''کھونٹا بھی خالی ہے۔ رسی ٹوٹی ہوئی ہے۔'' وہ گھبرا کر پلٹے: ''کلو بھائی، کلو بھائی!''

''کیا بات ہے مرزا جی!''

''ارے بھئی، ہماری گائے تو نہیں ہے۔ وہ کہاں آپ نے باندھی ہے؟'' مرزا جی نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

''کیا! گائے نہیں ہے۔'' کلو ہڑبڑا کر اُٹھ گیا۔ لپکا لپکا باڑے میں آیا۔

''ارے گائے کہاں چلی گئی؟ رات کو میں نے چارا کھلایا ہے۔ کون لے گیا؟''

''ارے بھائی! جلدی کرو، ہمیں واپس بھی جانا ہے۔'' گائے والے بولے۔

ادھر مرزا جی کا بُرا حال تھا۔ ڈر بھی رہے تھے کہ کہیں محلے والوں کو پتا نہ چل جائے کہ گائے کرائے پر تھی۔ ان کے پاؤں تلے زمین نکل گئی تھی۔

انھوں نے اِدھر اُدھر بہت دیکھا، مگر گائے رات کسی پہر کوئی چور کھول کر لے گیا۔

مرزا جی سر پیٹنے لگے۔ منشی کو فون کیا۔ وہ بھی دوڑے دوڑے آ گئے۔

''یا اللہ! کیا کروں؟ گائے والوں نے فون کر کے گائے کے مالکان کو بلوا لیا۔''

میاں صاحب! جلدی کریں، نوے ہزار دے دیں۔ گائے مل جائے تو اپنی رقم واپس لے لینا۔''

''مگر بھائی......''

''یہ کچھ کہنے سننے کا وقت نہیں۔ آپ کی بدنامی ہوگی۔ محلے والوں کو پتا چلے گا کہ آپ نے ڈراما کیا ہے۔'' گائے والے نے آنکھیں بدلتے ہوئے کہا۔

''نہیں......نہیں بھائی! ایسا مت کرنا۔ ورنہ میری عزت خاک میں مل جائے گی۔''

مرزا جی گائے کے مالک کو لے کر گھر آئے اور نوے ہزار کے نوٹ اسے دے دیے۔

مرزا جی کی بیوی سخت غصے میں تھیں۔ بولیں: ''اے، میں کہتی ہوں تم نے منشی جی کی باتوں میں آ کر کیوں نقصان کر لیا۔ اللہ کی نافرمانی کی، لوگوں کے ساتھ اللہ کو بھی دھوکا دیا۔ توبہ کریں، یہ آپ کو اللہ نے سبق دیا ہے۔ اب اسی میں عزت ہے کہ کسی کے گھر کا آیا ہوا گوشت نہ دینا، بلکہ صاف بتا دینا کہ ہماری گائے چوری ہوگئی ہے۔ اس میں عزت رہ جائے گی اور بات بھی بن جائے گی۔ جو کسی کے ساتھ جھوٹ اور دھوکا کرتا ہے، اللہ اسے اسی طرح سزا دیتا ہے۔''

''اللہ! مجھے معاف کر دے۔'' مرزا جی نے کان پکڑے اور سجدے میں گر گئے: ''اے اللہ! مجھے معاف کر دے، مجھے معاف کر دے۔''

☆☆☆

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

ایک ساتھ نشانِ حیدر ملا

پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز نشانِ حیدر ہے۔ یہ اعزاز اب تک دس شہیدوں کو دیا گیا ہے۔

میجر شبیر شریف ۶ ستمبر ۱۹۷۱ء کو اور سوار محمد حسین ۱۰ - دسمبر ۱۹۷۱ء کو شہید ہوئے۔ دونوں کو یہ اعزاز ۳ فروری ۱۹۷۲ء کو دیا گیا، جو دونوں کی بیواؤں نے وصول کیا۔

اسی طرح کیپٹن کرنل شیر خان ۵ جولائی ۱۹۹۹ء کو کارگل میں شہید ہوئے اور حوالدار لالک جان نے ۷ جولائی ۱۹۹۹ء کو کارگل ہی میں شہادت پائی۔ ان دونوں کو نشانِ حیدر کا اعزاز ۱۳ - اگست ۱۹۹۹ء کو ایک ساتھ ملا۔ کیپٹن کرنل شیر خان کا اعزاز ان کے والد اور حوالدار لالک جان کا اعزاز ان کے بھائی نے حاصل کیا۔

فنگر پرنٹ/ وائس پرنٹ

انگلیوں کے نشانات کو انگریزی میں فنگر پرنٹس کہا جاتا ہے۔ اس سے مجرموں کا پتا لگایا جا سکتا ہے۔ مجرموں کو پکڑنے کا یہ طریقہ سب سے پہلے مشہور جاسوسی ادارے اسکاٹ لینڈ یارڈ نے شروع کیا تھا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ، برطانیہ کا مشہور جاسوسی ادارہ ہے۔

آواز کی تصویروں کے ذریعے سے شناخت کا طریقہ وائس پرنٹ کہلاتا ہے۔ اسے ایجاد کرنے کا سہرا ڈاکٹر کرسٹا کے سر ہے۔

شالا مار باغ

لاہور کا مشہور شالا مار مغل بادشاہ شاہ جہاں کے حکم پر ایک قندھاری انجینئر کے

زیرِ نگرانی ۱۶۳۵ء میں مکمل ہوا۔ یہ باغ بہادر شاہ ظفر تک تمام مغل بادشاہوں کی سیر گاہ اور قیام گاہ رہا۔ اس نام سے سب سے پہلا باغ کشمیر میں بنایا گیا تھا، جسے ایک ہندو شخص نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کا نام شالا مار تھا۔ یہ لفظ سنسکرت زبان کا ہے، جس کے معنی ''عیش محل'' ہے۔ بعد میں اس باغ کو مغلیہ دور میں دوبارہ بنوا کر اس کا نام فرح بخش رکھا گیا۔

خلا میں پہلے جانے والے لوگ

''میجر یوری گیگارین'' کو دنیا کے پہلے خلا باز ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ ۱۲- اپریل ۱۹۶۱ء کو سابق سوویت یونین (موجودہ روس) کے خلائی جہاز ووسٹوک اول (VOSTOK-I) کے ذریعے خلا میں پہنچے۔ وہ خلا میں ایک گھنٹا ۴۸ منٹ کی پرواز کے بعد واپس زمین پر آئے۔ میجر یوری گیگارین کا انتقال ۱۹۶۸ء میں فضائی حادثے میں ہوا۔

خلاء میں جانے والی پہلی خاتون کا نام ''ویلنتینا تریشکووا'' ہے۔ ان کا بھی تعلق سابق سوویت یونین سے تھا۔ وہ ۱۶- جون ۱۹۶۳ء کو خلائی جہاز ووسٹوک ۶ (VOSTOK-VI) کے ذریعے خلا میں پہنچیں۔ انھوں نے چار دن میں زمین کے گرد ۴۸ چکر لگائے۔ بعد میں انھیں کئی ملکی اور غیر ملکی اعزازات دیے گئے، جن میں ہیرو آف سوویت یونین اور آرڈر آف لینن شامل ہیں۔

کیمیائی عناصر اور براعظم

کیمیائی عنصر یوروپیم جو ۱۹۰۱ء میں دریافت ہوا۔ اس کی ایٹمی علامت EU ہے اور اس کا ایٹمی نمبر ۶۳ ہے۔ یہ ذرا سخت دھات ہے۔ اس کا نام براعظم یورپ کے نام پر یوروپیم رکھا گیا ہے۔

اسی طرح ایک ریڈیو ایکٹیو کیمیائی عنصر امریکیم ہے، جس کی کیمیائی علامت AM ہے اور ایٹمی نمبر ۹۵ ہے۔ یہ عنصر ۱۹۴۴ء میں دریافت ہوا۔ اس کا نام براعظم امریکا کے نام پر امریکیم رکھا گیا ہے۔

ٹی ایس ایلیٹ/ جارج ایلیٹ

ٹی ایس ایلیٹ (THOMAS STEARNS ELIOT) انگریزی زبان کا مشہور شاعر اور نقاد تھا۔ امریکا میں ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوا اور آکسفورڈ اور ہارڈ ورڈ یونی ورسٹی میں تعلیم پائی۔ پھر ان ہی اداروں میں اس نے پڑھایا۔ بعد میں وہ برطانیہ میں ہی رہنے لگا۔ ۱۹۴۸ء میں اسے ادب کا نوبیل انعام ملا۔ اس کا ۱۹۶۵ء میں انتقال ہوا۔

دوسرا نام جارج ایلیٹ بھی بہت مشہور ہے۔ یہ ایک خاتون کا علمی نام ہے۔ مغالطہ ہوتا ہے کہ ٹی ایس ایلیٹ اور جارج ایلیٹ میں کوئی رشتہ ہوگا، مگر ایسا نہیں ہے۔ جارج ایلیٹ کا اصل نام ''میری این ایوانس'' ہے۔ وہ ۲۲ نومبر ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئیں۔ کئی ناول لکھے۔ '' دی میل آن دی فلاس'' اس کا مشہور ناول ہے۔ اس کا ۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا۔ ☆

ای-میل کے ذریعے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

خزانے کی تلاش

جاوید اقبال

ایک دن میں ایک کباڑیے کے پاس کچھ پرانی کتابوں کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ ایک کتاب میں مجھے بوسیدہ سا ایک کاغذ ملا۔ کاغذ پر آڑی ترچھی لکیروں کا ایک جال سا بنا ہوا تھا۔ ساتھ ہی کسی نامعلوم زبان میں جگہ جگہ کچھ الفاظ بھی لکھے تھے۔ وہ کتاب خرید کر میں گھر آ گیا، لیکن جب ان الفاظ اور لکیروں کا مطلب میری سمجھ میں نہ آیا تو یہ کاغذ اپنے دوستوں کو دکھایا۔ خالد نے کاغذ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا: ''یہ تو کوئی نقشہ معلوم ہوتا ہے۔''

خالد میز پر وہ نقشہ پھیلا کر بیٹھ گیا اور ان لفظوں اور لکیروں کو غور سے دیکھنے لگا۔

بیس منٹ بعد اس نے سر اُٹھایا اور بولا: ''یہ کسی دفن شدہ خزانے کا نقشہ ہے۔''

اسد نے پوچھا: ''مسٹر ماہر نقشہ جات! یہ تو بتائیے کہ یہ خزانہ کہاں دفن ہے؟''

خالد نے کہا: ''یہاں سے شمال کی جانب ایک گھنا جنگل ہے۔ جنگل میں ایک پہاڑی ہے اور اس پہاڑی کے دامن میں ایک غار ہے۔ یہ خزانہ اسی غار میں ہے۔ اگر تم خزانہ حاصل کرنا چاہو تو میں وہاں تک تمھیں لے جا سکتا ہوں۔''

ہم فوراً تیار ہو گئے۔ جلدی جلدی کچھ کھانے کی چیزیں، کچھ اوزار وغیرہ کا انتظام کیا اور گاڑی میں بیٹھ خزانے کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ خالد کو ہم نے اس مہم کے دوران اپنا لیڈر چن لیا۔ وہ اسد کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا نقشے کو دیکھ دیکھ کر راستہ بتا تا جا رہا تھا۔

ایک لمبا سفر طے کر کے ہم اس جنگل کے قریب جا پہنچے۔

خالد نے کہا: ''یہی ہے وہ جنگل، گاڑی روک دو، آگے پیدل جانا ہے۔''

ہم نے کھانے کا سامان اور اپنے اوزار اُٹھا لیے اور پیدل جنگل میں چل پڑے۔ چلتے چلتے ہمارے پاؤں تھک گئے۔ ایک جگہ ندی دیکھ کر خالد نے رکنے کا اشارہ کیا اور کہا: ''لو بھئی، کچھ کھا پی لو اور آرام کر لو پھر آگے بڑھتے ہیں۔''

ہم وہاں بیٹھ گئے، ٹفن کھل گئے، دسترخوان بچھ گئے۔ خوب پیٹ بھر کر کھانے کے بعد پھل اور مٹھائیاں بھی کھائیں اور گھاس پر لیٹ گئے، مگر تھوڑی دیر بعد ہی خالد نے اُٹھا دیا، بولا: ''ہم یہاں آرام کرنے نہیں آئے، ہمیں اپنا مشن مکمل کرنا ہے۔''

ہم خالد کو کوستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر سفر شروع ہوا۔ درختوں کے ایک جھنڈ سے جیسے ہی باہر نکلے، سامنے پہاڑی نظر آ گئی، جس میں غار تھا۔ غار کا دہانہ

جھاڑ جھنکار اور درختوں میں چھپا ہوا تھا، مگر خالد کی تیز نظروں نے ڈھونڈ لیا۔ ہم ٹارچ جلا کر اور راستہ بنا کر اندھیرے غار میں داخل ہو گئے۔ جگہ جگہ جانوروں کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ چھت پر چگادڑیں اُلٹی لٹکی ہوئی تھیں۔ ہمیں دیکھ کر ان میں ہلچل پیدا ہوئی۔ وہ اِدھر سے اُدھر اُڑنے لگیں۔ ہم ان سے بچتے ہوئے آگے بڑھے۔

''یہاں تو کوئی خزانہ نہیں ہے۔'' احمد نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔
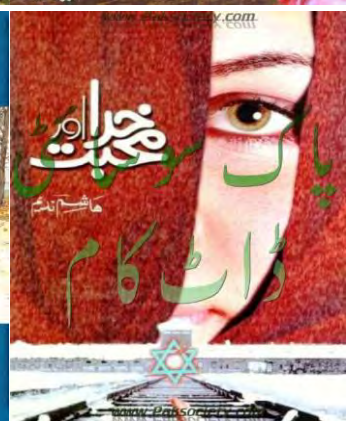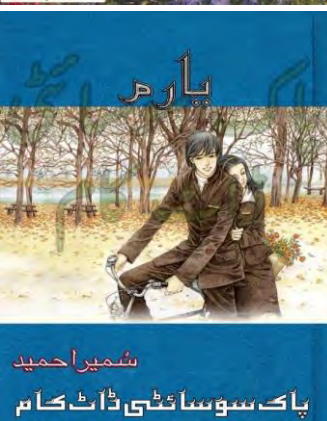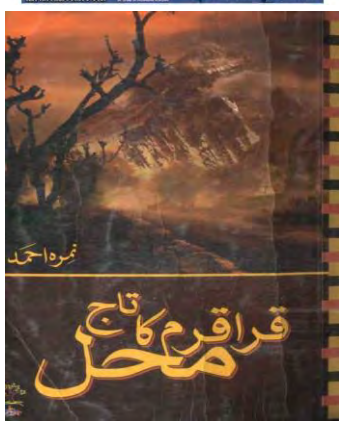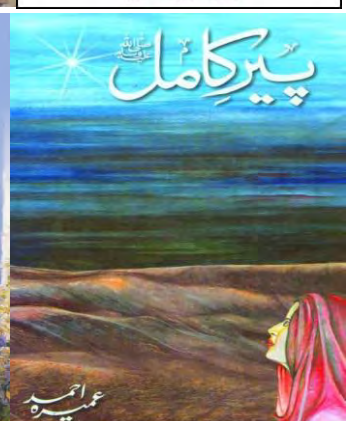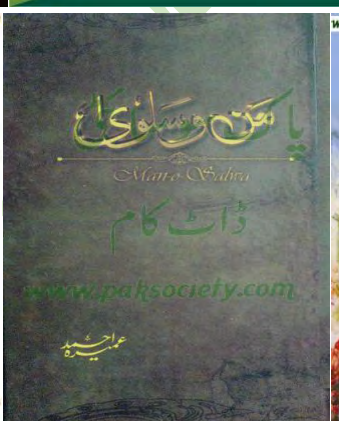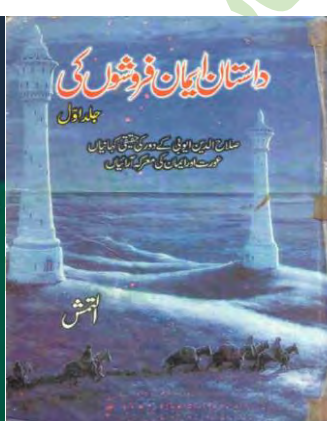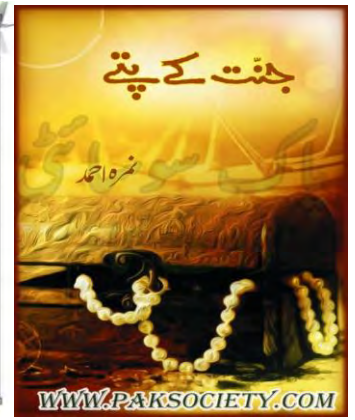
''خزانہ یہیں دفن ہے ہمیں کھدائی کر کے اسے نکالنا ہے۔'' خالد بولا۔

یہ سنتے ہی ہمارے ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے کہ ہمیں اس قدر پتھریلی زمین کھودنی پڑے گی، مگر خزانے کی لالچ میں ہم یہ بھی کرنے کو تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے اسد ہتھوڑا لے کر آگے بڑھا اور پتھریلی زمین کھودنے لگانے لگا۔ پورا غار اس کی آواز سے گونج اُٹھا۔ ابھی چند پتھر ہی ٹوٹے تھے کہ ہمیں غار کے منھ پر ایک سیاہ ہیولا سا نظر آیا۔ ہم چونک اُٹھے۔ دیکھا تو ایک سیاہ ریچھ شاید ہماری بُو سونگھ کر غار میں داخل ہو رہا تھا۔

ہم بُری طرح پھنس گئے تھے۔ پیچھے غار بند تھا اور آگے ریچھ کھڑا تھا۔ روشنی سے آنے کی وجہ سے ریچھ کی آنکھیں ابھی اندھیرے میں صحیح طرح دیکھنے کے قابل نہیں ہوئی تھیں۔ خالد نے کڑک کر کہا: ''ریچھ پر حملہ کر دو۔''

میں بیلچہ اُٹھائے آگے بڑھا اور ریچھ کے سر پر وار کیا۔ چوٹ کھا کر ریچھ غضب ناک ہو گیا۔ اس نے اپنے بازوؤں کو زور سے اِدھر اُدھر گھمایا۔ خالد اس اندھے وار کی زد میں آ گیا اور دور جا گرا۔ اسد نے چھلانگ لگائی اور ہتھوڑا اُٹھائے ریچھ کی طرف بھاگا، مگر اسے پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ ریچھ کے قریب جا گرا۔ ریچھ نے اسے اپنے بازوؤں میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

جکڑ لیا۔ اسد کے منھ سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔

میں نے بیلچہ سر سے اوپر اُٹھایا اور ریچھ کی پُشت پر وار کیا۔ ریچھ نے اسد کو چھوڑ دیا اور میری طرف مڑا۔ میں نے اسے مارنے کے لیے پھر بیلچہ اُٹھایا، مگر اس نے مجھے زور سے دھکا دے دیا۔ میں اُلٹ کر ایک گڑھے میں جا گرا۔ میرے پاؤں نرم نرم ریت میں دھنس گئے۔ گڑھے کے باہر ریچھ کے غرانے اور دوستوں کے للکارنے کی آوازیں مسلسل آ رہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد خاموشی چھا گئی۔

میں نے گڑھے سے سر نکال کر دیکھا۔ میرے دوست غائب تھے اور ریچھ غضب ناک ہو کر ہمیں ڈھونڈ رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، وہ میری طرف بڑھا۔ جب وہ گڑھے کے قریب آیا تو میں نے دونوں ہاتھوں میں ریت بھر کر اس کے منھ پر پھینکی۔ ریچھ کی آنکھوں، منھ اور ناک میں ریت بھر گئی۔ وہ زمین پر بیٹھ کر اپنی آنکھیں ملنے اور کھانسنے لگا۔ موقع غنیمت جان کر میں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

''ٹھیرو، ہم بھی آ رہے ہیں۔'' پیچھے سے دوستوں کی آواز آئی۔ وہ بھی وہیں چھپے ہوئے تھے۔ غار سے نکل کر ہم ایسے بھاگے کہ دوسرا سانس پھر گاڑی میں بیٹھ کر ہی لیا۔

''نقشے میں تو ریچھ کا ذکر نہیں تھا، پھر یہ کہاں سے آن ٹپکا؟'' خالد نے حیرت سے کہا۔

''یہ خزانے کا محافظ ریچھ ہے۔'' احمد نے کہا اور ہم کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

خزانے کی لالچ میں ہم اپنے اوزار اور دوسرا سامان گنوا بیٹھے تھے اور راتوں رات امیر بننے کا خواب دھرے کا دھرا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

میجر محمد اکرم شہید

حافظ وقاص رؤف

میجر محمد اکرم شہید ۴ - اپریل ۱۹۳۸ء کو ڈنگہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے ۔ نویں جماعت پاس کر کے فوج میں بطور رنگروٹ بھرتی ہوئے، پھر پاکستان آرمی اسپیشل کا امتحان پاس کرنے کے بعد لانس نائیک بنا دیے گئے ۔ ۱۹۶۱ء میں ریگولر کمیشن کے لیے بھرتی ہوئے اور ''پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول'' تربیت کے لیے بھیج دیے گئے ۔

۱۹۶۳ء میں کمیشن ملا اور فرنٹیئر فورس رجمنٹ میں تعینات کر دیے گئے ۔ ۱۹۶۵ء میں کیپٹن کے عہدے پر فائز ہو کر جنگ میں شان دار خدمات انجام دیں ۔ ۷ جولائی ۱۹۶۸ء کو انھیں مشرقی پاکستان ۴ فرنٹیئر فورس رجمنٹ میں کمانڈر متعین کر دیا گیا ۔ ۱۹۷۰ء میں میجر کے عہدے پر ترقی ملی ۔ نومبر ۱۹۷۱ء میں جب پاک بھارت جنگ کا آغاز ہوا تو میجر محمد اکرم مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں ایک اہم فوجی چوکی ''ضلع دیناج پور'' میں فرنٹیئر فورس رجمنٹ کی ایک کمپنی کی قیادت کر رہے تھے ۔ اس چوکی پر دشمن نے ۲۴ نومبر ۱۹۷۱ء کو حملے کا آغاز کیا تھا، جو فضائیہ توپ خانہ اور بکتر بند دستوں کے مسلسل حملوں کی زد میں تھی ۔ میجر اکرم نے دشمن کے ہر حملے کا بھرپور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا اور اسے پاکستانی سرزمین پر ایک انچ بھی آگے نہ بڑھنے دیا ۔

۳ - دسمبر ۱۹۷۱ء کو دشمن کی بکتر بند رجمنٹ نے پوری قوت سے حملہ کیا ۔ اس وقت میجر محمد اکرم کی کمپنی اسلحے اور رسد کی کمی کا شکار تھی ۔ اس نازک مرحلے میں میجر محمد اکرم نے بہترین قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگ اور خون کے اس سیلاب کا بے مثال بہادری اور استقامت سے مقابلہ کیا اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ۔ ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کو آپ نے جامِ شہادت نوش کیا ۔ ان کی اس عظیم شہادت کو سراہتے ہوئے حکومتِ پاکستان نے انھیں ملک کا سب سے بڑا فوجی اعزاز ''نشانِ حیدر'' عطا کیا ۔

اے راہِ حق کے شہیدو، وفا کی تصویرو
تمھیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

بلاعنوان انعامی کہانی

عبداللہ بن مستقیم

صبح دس بجے کے قریب وہ کچن سے نکلا اور ایک کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے چابی نکالی اور تالا کھول لیا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے وہاں موجود صوفے کو کھسکا کر دیوار کے ساتھ لگایا، پھر اس پر اسٹول رکھا اور اس پر چڑھ گیا۔ اس نے جیب سے کوئی چیز نکالی اور جس جگہ دو دیواریں اور چھت آپس میں مل رہی تھیں، اس کونے میں اسے لگا دیا۔ پھر جلدی سے نیچے اُترا، صوفے کو دوبارہ اپنی جگہ کھسکایا، اسٹول کو اس کی جگہ رکھا اور کمرے کے دروازے پر تالا لگا کر واپس کچن میں چلا گیا۔

اگلے دن سیٹھ انجم کے گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ان کے کمرے کی تجوری کھلی ہوئی تھی اور اس کے اندر رکھی تمام چیزیں غائب تھیں۔ تجوری میں چھوٹی موٹی رقم ہوتی تو اور بات تھی، مگر سیٹھ انجم ہیروں کے بہت بڑے بیوپاری تھے اور ان کی تجوری ہیروں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ تجوری انھوں نے ایک بہت مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنوائی تھی۔ گھر میں پولیس والوں سمیت تجوری بنانے والی کمپنی کے ذمے دار نمایندے بھی جمع تھے اور سیٹھ انجم ان پر بُری طرح برس رہے تھے۔ ظاہر ہے، تجوری کو اگر کسی نے کھول لیا تھا تو یہ تجوری بنانے والی کمپنی کی کوتاہی کا نتیجہ تھا۔ سیٹھ صاحب بہت طیش میں تھے اور تجوری بنانے والی کمپنی پر مقدمہ کرنے کی باتیں کر رہے تھے۔ بے چارے کمپنی کے ذمے دار لوگ بھی بہت شرمندہ تھے اور سیٹھ صاحب کو پوری طرح سے یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ انھوں نے تجوری کو بناتے وقت اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی اور ہر طرح سے اطمینان کر لیا تھا۔

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔ سیٹھ انجم نے اپنے ملازم شہاب کو اشارہ کیا تو وہ فوراً دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلا تو سامنے انسپکٹر ارشد موجود تھے۔ ملازم نے انھیں اندر آنے کے لیے ایک طرف ہو کر راستہ دیا۔

ملازم انھیں اندر سیٹھ صاحب کے کمرے میں لے گیا۔ سیٹھ انجم، انسپکٹر ارشد کو دیکھ کر ایسے کھڑے ہوئے، جیسے انھیں ان کا بچھڑا ہوا بھائی مل گیا ہو: ''انسپکٹر صاحب! اچھا ہوا آپ جلدی آ گئے۔ یہ دیکھیں، میری تجوری کی حالت، آج جب میں گھر واپس آیا تو یہ اسی طرح کھلی ہوئی تھی اور خالی تھی۔''

مگر انسپکٹر صاحب تو تجوری کے بجائے کچھ اور دیکھ رہے تھے۔ وہ دو قدم آگے بڑھے اور جھک کر فرش پر سے وہ چیز اُٹھالی۔ یہ ایک ہُک نما کوئی چیز تھی۔ انسپکٹر ارشد نے اوپر دیوار پر نظریں دوڑائیں تو ایک جگہ سے دیوار کا رنگ اُکھڑا ہوا تھا اور وہیں پر چھوٹا سا سوراخ بھی بنا ہوا تھا۔

''سیٹھ صاحب! یہ ہُک آپ نے یہاں لگایا تھا؟''

''نہیں تو، میں نے کوئی ہُک نہیں لگایا اور اتنی اونچائی پر میں کوئی ہُک کیوں لگاؤں گا، جہاں میرا ہاتھ ہی نہ پہنچے۔''

انسپکٹر ارشد نے ہُک کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا، پھر اسے اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ پھر سیٹھ انجم کی طرف دیکھتے ہوئے بولے: ''آپ کے گھر میں کل کتنے افراد ہیں؟''

''انسپکٹر صاحب! صرف میں اور میری بیوی رہتے ہیں اس گھر میں، دو بیٹیوں کی شادیاں ہو گئیں۔ ایک بیٹا ہے، جو پڑھنے کے لیے باہر گیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مالی ہے عبدالسلام اور ایک گھریلو ملازم شہاب ہے جو آپ کو دروازے پر ملا تھا۔''

''ان دونوں ملازمین کو کتنا عرصہ ہوگیا یہاں کام کرتے ہوئے؟''

''عبدالسلام تو بہت پرانا ملازم ہے، اسے یہاں کام کرتے ہوئے تقریباً آٹھ سال ہوگئے ہیں، جب کہ شہاب کو ملازمت پہ رکھے ابھی تین مہینے ہی ہوئے ہیں۔''

انسپکٹر ارشد یہ آخری جملہ سن کر چونک گئے، پھر بولے: ''آپ نے اسے کسی طرح ملازمت پر رکھا، میرا مطلب ہے، اسے کسی نے بھیجا تھا یا یہ خود ہی آیا تھا؟''

''میں نے اخبار میں اشتہار دیا تھا۔ پانچ اُمیدواروں میں سے میں نے اسے رکھ لیا، کیوں کہ اس کی بنائی ہوئی چائے اور کھانا مجھے پسند آیا تھا۔''

''یہ بتائیے کہ جب آپ گھر آئے تو آپ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا یا بند تھا؟''

''انسپکٹر صاحب! کمرے کا دروازہ بند تھا اور تالا بھی لگا ہوا تھا۔ تالے کی چابی ہمیشہ میری جیب میں ہوتی ہے۔ اس دن بھی جب میں دفتر گیا تھا تو چابی میری جیب میں تھی۔''

''عجیب بات ہے، کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا، جب کہ کمرے کے اندر تجوری کھلی ہوئی تھی۔'' انسپکٹر ارشد نے سوچ میں گم لہجے میں کہا، پھر وہاں سے اُٹھے اور اپنے ماتحتوں کو لے کر سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے شہاب کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ شہاب نے کھولا اور انھیں دیکھ کر اُچھل پڑا:

''انسپکٹر صاحب! آ...... آپ! مجھے بلا لیا ہوتا۔''

''ہمیں تمھارے کمرے کی تلاشی لینی ہے۔''

''اچھا اچھا...... جی شوق سے لیں۔''

پھر انسپکٹر ارشد کے ماتحتوں نے کمرے کی تلاشی لینی شروع کردی۔ انھوں نے پورے کمرے کا کونا کونا چھان مارا، ہر ہر چیز کو اس کی جگہ سے ہلا کر اور اُٹھا کر دیکھ لیا،

مگر انھیں کوئی کام کی چیز نہ ملی۔ انسپکٹر ارشد کی پیشانی پر بَل پڑ گئے، ان کا اندازہ غلط ہو چلا تھا۔ انھوں نے شہاب سے معذرت کی اور باہر نکلنے لگے۔ اچانک کسی خیال کے تحت وہ رک گئے، انھوں نے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور ایک سمت میں بڑھنے لگے۔ پھر ایک جگہ جا کر رک گئے۔ وہاں ردی کی ٹوکری پڑی تھی۔ انھوں نے ٹوکری اُٹھائی اور اسے اُلٹ دیا۔ اگلا لمحہ حیران کن تھا۔ فرش پر ردی کے علاوہ ایک اور چیز بھی پڑی تھی اور وہ تھا ایک ننھا سا کیمرا۔ انسپکٹر ارشد نے کیمرے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا، وہ ایک جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ انھوں نے کچھ سوچ کر اپنی جیب سے وہ نگ نکالا اور اس جگہ لگا دیا۔ وہ نگ وہاں بالکل ٹھیک بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر شہاب کا رنگ اُڑ گیا۔ اس نے فوراً اپنی جیب سے پستول نکالا اور انسپکٹر ارشد پر فائر کر دیا۔ انسپکٹر ارشد فوراً ترچھے ہو گئے اور گولی ان کے کندھے کو چھوتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی، ساتھ ہی شہاب نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ انسپکٹر ارشد بجائے اس کے پیچھے جانے کے سیٹھ انجم کے کمرے کی طرف چلے۔

سیٹھ انجم نے جب ان کے کندھے سے خون نکلتے دیکھا تو گھبرا گئے۔ فوراً ایک تولیہ ان کے کندھے پر لپیٹا اور ڈاکٹر کو فون کرنے لگے۔ فون سے فارغ ہوئے تو پریشانی کے عالم میں بولے: ''ارے انسپکٹر صاحب! یہ کیسے ہوا؟''

''یہ آپ کے ملازم شہاب کی بدحواسی ہے۔ اگر میں ترچھا نہیں ہو جاتا تو گولی سیدھی میرے دل پر لگتی۔''

''ارے...... مگر وہ کہاں گیا؟''

''بھاگ گیا۔''

''کیا کہا! بھاگ گیا، ہم...... مگر انسپکٹر صاحب! میرے چھے کروڑ کے ہیرے......''

سیٹھ صاحب نے روہانسی آواز میں کہا۔

''وہ آپ سے اور اس گھر سے بہت محبت کرتا ہے، اس لیے واپس ضرور آئے گا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب!'' سیٹھ انجم نے مایوسی کے انداز میں کہا۔

کچھ دیر میں ڈاکٹر نے آ کر انسپکٹر ارشد کی مرہم پٹی کر دی۔

اچانک سامنے سے شہاب آتا نظر آیا، دو پولیس والوں نے اس پر بندوق تانی ہوئی تھیں اور اس کا پستول بھی اب پولیس والوں کے قبضے میں تھا۔

''میں نے کہا تھا نا سیٹھ صاحب!'' انسپکٹر ارشد نے مسکرا کر کہا۔

''ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم نے اس کے کمرے کی تلاشی تو لے لی، مگر اس کی تلاشی نہیں لی۔ چلو بھئی، اب اس کی تلاشی بھی لے لو۔''

دو ماتحت آگے بڑھے اور انھوں نے اس کی تلاشی لینی شروع کی۔ دو ماتحت جو اسے لے کر آئے تھے، مسلسل اس پر بندوق تانے ہوئے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی جیب سے ایک موبائل، ایک چابی اور کچھ نقدی برآمد ہوئی۔ انسپکٹر ارشد نے موبائل کوٹ کی جیب میں ڈالا اور چابی کو ہاتھ میں پکڑے پکڑے کچھ سوچنے لگے، شاید وہ کوئی اندازہ لگانا چاہتے تھے۔ پھر انھوں نے اپنے ایک ماتحت کو چابی دی اور سیٹھ انجم کے دروازے کے تالے میں لگانے کے لیے کہا۔ اس نے چابی تالے میں لگا کر گھمائی تو تالا فوراً کھل گیا۔

سیٹھ انجم یہ دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئے!

دوسری طرف انسپکٹر ارشد سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس کیس کی کڑیوں کو ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بات اب کچھ کچھ ان کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ پھر انھوں نے کہنا شروع کیا: ''تین مہینے پہلے سیٹھ صاحب! جب آپ نے اخبار میں ملازمت کا اشتہار

دیا تو کچھ لوگوں کے کان کھڑے ہوگئے۔ انھیں معلوم تھا کہ آپ ہیروں کے بہت بڑے بیوپاری ہیں۔ انھوں نے اپنا آدمی آپ کے پاس بھیجا۔ آپ کو اس کا کھانا پسند آیا اور آپ نے اسے رکھ لیا۔ ظاہر ہے، اسے پہلے کھانا پکانا سکھایا گیا ہوگا اور ہر طرح سے تیار کر کے بھیجا گیا ہوگا۔ چناں چہ آپ کے ملازم شہاب نے اس گھر میں آکر سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ آپ کے کمرے کے تالے کی چابی کسی طرح اُڑائی اور فوراً اس کی نقل بنوالی۔ اس طرح آپ کو شک بھی نہیں ہوا۔ اب یہ جس وقت چاہتا، دوسری چابی سے تالا کھول کر آپ کے کمرے میں داخل ہو سکتا تھا۔ اس طرح اس نے آپ کے کمرے کا تالا کھولا۔ اب تجوری کس طرح کھولی، یہ شہاب صاحب آپ کو خود بتائیں گے۔''

انسپکٹر ارشد نے شہاب کی طرف دیکھا، مگر وہ تو سر جھکائے کھڑا تھا۔ انسپکٹر ارشد نے کچھ توقف کے بعد خود ہی کہنا شروع کیا: ''ان کا موڈ ابھی اچھا نہیں لگ رہا...... چلیں، میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔ پھر انھوں نے ایک نہایت ننھا سا کیمرا خریدا اور کمرے کا تالا کھولنا تو ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا، اس لیے یہ آسانی سے کمرے میں گھسے اور تجوری کے سامنے کمرے کی دیوار پر کیمرا لگا دیا۔''

سیٹھ انجم نے بے تابی سے کہا: ''ایک منٹ انسپکٹر صاحب! آپ تو یہ بتا رہے تھے کہ اس نے تجوری کیسے کھولی، یہ بیچ میں کیمرا کہاں سے آ گیا؟''

''پہلے پوری بات تو سن لیجیے سیٹھ صاحب!'' انسپکٹر ارشد نے خوش گوار لہجے میں کہا: ''شہاب نے ایسی جگہ کیمرا لگایا، جہاں سے تجوری صاف نظر آ سکے۔ یہ نمبروں سے کھلنے والی تجوری ہے۔ اب جب آپ نے کسی وقت اس پر نمبر دبا کر اسے کھولا تو اس نے خفیہ کیمرے کی آنکھ سے وہ نمبر دیکھ لیے۔ پھر وہی نمبر شہاب نے بعد میں دبائے تو تجوری

کھل گئی۔ اس نے سارے ہیرے یہاں سے اپنے ساتھیوں کے پاس منتقل کردیے۔ بس غلطی اس سے یہ ہوئی کہ کام ہو جانے کے بعد جلدی میں اس نے کیمرے کو ٹھیک سے نکالنے کے بجائے کھینچ کر نکالا، جس کی وجہ سے اس کیمرے کا ٹیگ ٹوٹ کر کمرے میں ہی گر گیا اور کیمرا جو اس نے اپنے خیال میں چھپا دیا تھا، وہ بھی اس کے کمرے میں کچرے کی ٹوکری سے برآمد ہو گیا۔'' انسپکٹر ارشد اتنا کہہ کر سانس لینے کے لیے رک گئے۔

''واقعی یہ بہت منظم منصوبہ تھا۔ ٹیکنالوجی کا مجرمانہ استعمال شاید پہلے کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ میں تو خواہ مخواہ تجوری بنانے والی کمپنی پر برس رہا تھا، مگر اب پتا چلا کہ اس میں ان کی کوئی غلطی نہیں ہے۔''

پھر انسپکٹر ارشد نے شہاب کے ذریعے سے اس کے ساتھیوں کو گرفتار کیا اور سیٹھ انجم کے ہیرے انھیں واپس دلائے۔ سیٹھ انجم، انسپکٹر ارشد کے سامنے بچھے جا رہے تھے اور بار بار ان کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔

☆☆☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۸۵ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸-ستمبر ۲۰۱۷ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

خوش ذوق نونہالوں کے پسندیدہ اشعار

بیت بازی

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

شاعر : کنور مہندر سنگھ بیدی سحر — پسند : ماہ نور طاہر، ایف سی ایریا

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

شاعر : سید محمد عالم مست خاں کلکتوی — پسند : ارم حسین، اسلام آباد

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے، اتنا ہی وہ خاموش ہے

شاعر : سید احمد ناطق لکھنوی — پسند : عالیہ زبیر، بکھر

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

شاعر : نواب محمد یار خاں امیر رامپوری — پسند : منیب احمد، لاہور

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے
بج رہا ہے اور بے آواز ہے

شاعر : سید محمد جعفر حیات امروہوی — پسند : گلناز نسیم، ملتان

دلِ ناداں! ذرا محتاط رہنا
محبت بھی تجارت ہو گئی ہے

شاعر : عبدالحمید عدم — پسند : آصف بوزدار، میرپور ماتھیلو

کہاں قاتل بدلتے ہیں، فقط چہرے بدلتے ہیں
عجب اپنا سفر ہے، فاصلے بھی ساتھ چلتے ہیں

شاعر : حبیب جالب — پسند : شائلہ ذیشان، ملیر

یوں گلیوں، بازاروں میں آوارہ پھرتے رہتے ہیں
جیسے اس دنیا میں سبھی آئے ہوں عمر گنوانے لوگ

شاعر : عبیداللہ علیم — پسند : حسام عامر، سندھی ہوٹل

آؤ چپ کی زبان میں محسن
اتنی باتیں کریں کہ تھک جائیں

شاعر : محسن نقوی — پسند : روبینہ ناز، کراچی

ایسا لگتا ہے کہ درویش کو جلال آیا ہے
حاکمِ شہر کی پگڑی بھی اُچھال آیا ہے

شاعر : شاہ نواز سواتی — پسند : عروج ناصر، ناظم آباد

پھر اس کے بعد تو رستہ نکل ہی آئے گا
فصیلِ ذات میں پہلا شگاف کرنا ہے

شاعرہ : ماصرہ زبیری — پسند : دوست محمد، لاڑکانہ

ہنسے آٹھ آٹھ آنسو، کھِل کھِلا کے ہم روئے
کاٹ رہے ہیں اب تک ہم اوروں کے بوئے

شاعر : ظفر اقبال — پسند : خرم احمد خان، نارتھ کراچی

کوئی بھی غیر نہیں قاتلوں میں آیا نظر
خلوصِ یار بھی مقتل میں جا کے دیکھ لیا

شاعر : فرقان ادریسی — پسند : علی حیدر لاشاری، لاکھڑا

پی جا ایام کی تلخی کو بھی ہنس کے ناصر
غم کے سہنے میں بھی قدرت نے مزہ رکھا ہے

شاعر : ناصر بشیر — پسند : م، ز، م، جمن شاہ ضلع لیہ

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری ہمدرد فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں کا ایک حصہ ہے۔ ہر مہینے پورے پاکستان میں ہزاروں مریضوں کا فری چیک اپ کر کے فری دوائیاں دی جاتی ہیں۔ یہ فری موبائل ڈسپنسریاں کراچی، لاہور، ملتان، بہاول پور، فیصل آباد، سرگودھا، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، سکھر، حیدرآباد اور آزاد کشمیر میں مستحق مریضوں کا علاج کرتی ہیں۔

کراچی کے لیے چھے گاڑیاں درجِ ذیل علاقوں میں خدمت پر مامور ہیں:

غازی آباد، گلشن بہار، اورنگی نمبر 13، قائم خانی کالونی، بلدیہ ٹاؤن، نیو کراچی سیکٹر D-11، سیکٹر F-11، نئی آبادی، یوسف گوٹھ، لیاری ایکسپریس وے، خدا کی بستی، کورنگی نمبر 2، کورنگی سو کوارٹرز، کورنگی نمبر 4، ونگی گوٹھ، محمود آباد، عمر گوٹھ، ایوب گوٹھ، مدرسہ انوار الایمان، سلطان آباد، مدرسہ منبع العلوم، وھیل کالونی، اکبر گراؤنڈ، مہاجر کیمپ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 3، شفیع محلّہ (لال مسجد)، نور شاہ محلّہ، مواچھ گوٹھ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 7، مشرف کالونی بلاک سی، ایف، ای اور اے روڈ، لیاقت آباد پیلی کوٹھی، کوثر نیازی کالونی، مجید کالونی اور ملیر۔

بی آر بی کی کہانی

رانا محمد شاہد

بی آر بی ایک نہر ہے جو ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو دشمن کے اچانک حملے کے موقع پر ایک مضبوط دفاعی لائن بن گئی۔ اس نہر کو ملک کے جواں ہمت لوگوں نے اپنی مدد آپ کے اصول پر کھودی تھی۔ اس کے کھودنے والوں میں پروفیسرز بھی تھے اور تانگا بان بھی۔ دیہات کے لوگ بھی تھے۔ غرض کہ ہر طبقے کے لوگوں نے اس نہر کی کھدائی میں حصہ لیا تھا۔ جیسے جیسے نہر آگے بڑھتی جاتی، اس علاقے کے لوگ بھاگ کر پہنچتے اور نہر کھودنے میں اپنا کردار ادا کرتے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء میں لاہور سیکٹر کی جنگ اسی نہر کے کنارے لڑی گئی تھی۔ بی آر بی "بمبانوالی راوی بیدیاں نہر" کا مخفف ہے، یعنی مختصر نام۔

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی رات تاریکی میں دشمن نے پاکستان پر حملہ کر دیا تو اسی مشہور و معروف بی آر بی نہر نے دشمن کے بڑھتے قدم روک دیے۔

پاکستانی افواج کے شیر دل جوان دشمن سے مقابلے کے لیے اس نہر پر پہنچے۔ دشمن فوج نے دوپہر تک لاہور پر قبضہ کر لینے کا جو خواب دیکھا تھا، وہ بی آر بی کے رواں دواں پانی میں بکھر گیا۔

بی آر بی نے جنگِ ستمبر میں وہ کردار ادا کیا، جس کی مثال نہیں ملتی۔

سب سے دل چسپ بات یہ ہے کہ بی آر بی نہر کو عبور کرنے کے لیے مخالف فوج کے لیفٹیننٹ جنرل پی کے کول نے جالندھر میں اس نہر کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی کے

عین مطابق بالکل ایک ایسی ہی نہر ۱۹۵۲ء میں بنوائی تھی اور اس وقت سے دشمن فوج اپنے طور پر اس نہر کو عبور کرنے کی مشقیں کرتی رہی تھی۔ جنرل کول نے اپنی کتاب "ان کہی کہانی" میں ان مشقوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے، لیکن ۱۳ سال کی تیاریوں، مشقوں، لاتعداد افواج، ہتھیاروں کی برتری اور بالکل اچانک حملہ کرنے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے بھی وہ اس نہر کو پار نہ کر سکے۔

اس سترہ روزہ جنگ میں دشمن کی توپوں نے لاتعداد گولے پھینکے۔ جہازوں سے راکٹ اور بم گرائے کہ کسی طرح بی آر بی نہر کو نقصان پہنچے اور اس میں بہتے پانی کا نظام بگڑ جائے، تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اس نہر کو عبور کرنے کے قابل ہو جائیں گے، لیکن وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شاید وہ جانتا نہیں تھا کہ اس کی پیش قدمی میں رکاوٹ بی آر بی نہیں، بلکہ پاکستان کے جوان اور شیر دل بیٹوں کا جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت ہے۔

بی آر بی نہر آج بھی پوری شان وشوکت سے بہ رہی ہے، کیوں کہ اسے یقین ہے کہ اگر دشمن نے اسے تباہ کرنے کی کوشش کی تو پاکستانی افواج کے شیر دل جوان اسے اس مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے، کیوں کہ جنگ ساز وسامان سے نہیں، بلکہ جذبے سے لڑی جاتی ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے پاکستان کی فوج اور قوم میں یہ جذبہ زندہ ہے اور رہے گا۔

☆☆☆

اچھی مچھلی

جدون ادیب

بیگ صاحب محلے کی ایک مقبول شخصیت تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع اور لوگوں سے ان کے تعلقات بھی بہت اچھے تھے۔ اکثر لوگ اپنے مسائل حل کرانے کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے اور وہ اپنی بساط کے مطابق لوگوں کی مدد کرتے۔ ان کے لیے درخواستیں لکھتے یا ان کو سمجھاتے کہ کیسے وہ اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں۔

ان کی نیک نامی اور شہرت اپنی جگہ، مگر خود ان کے گھر پر ایک مسئلہ بن گیا، جسے بقول ان کی بیگم، اس کا حل کرنا شاید ان کے بس میں نہیں تھا۔ بیگ صاحب کے اکلوتے، ہونہار اور ذہین بیٹے فرمان کو اسنوکر کھیلنے کا شوق ہوا اور وہ محلے کے بدنام جیکو اسنوکر کلب میں جانے لگا، جہاں آوارہ لڑکوں کی بہتات تھی اور شاید اس جیسا پڑھا لکھا اور مہذب لڑکا اور کوئی وہاں نہیں جاتا تھا۔

فرمان میاں کا خیال تھا کہ جس طرح ایک گندی مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر سکتی ہے تو اسی طرح ایک اچھی مچھلی سارے تالاب کو اچھا بھی بنا سکتی ہے۔ اچھی مچھلی سے مراد وہ خود تھے اور ہر بات کی دلیل اس طرح دیتے کہ امی نے تو ان سے ہار مان لی تھی اور مقدمہ بیگ صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ جب فرمان نے والد صاحب کے سامنے دلائل دیے تو وہ بھی چکرا گئے۔

''ارے بھئی، یہ اسنوکر کھیلنے کا خیال کیوں پیدا ہو گیا کوئی اور کھیل چُن لیتے!''

''اسنوکر کیوں نہیں...... قائداعظم نے بھی اسنوکر کھیلا ہے، اس لیے میں اسنوکر

پسند کرتا ہوں۔''

''مگر جیکو کلب کوئی اچھی جگہ نہیں۔''

''تو آپ کوئی اچھی جگہ بتا دیجیے، میں وہاں چلا جایا کروں گا۔''

''وہاں کا ماحول اچھا نہیں، آپ کا ذہن خراب ہو جائے گا۔''

''ممکن ہے، میری وجہ سے وہاں کا ماحول اچھا ہو جائے اور ضروری تو نہیں کہ میں بگڑ جاؤں، ہو سکتا ہے، سب میری وجہ سے ٹھیک ہو جائیں۔''

بیگ صاحب نے مزید بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور سوچنے لگے کہ کیسے اپنے بیٹے کو سمجھائیں کہ وہ ان کی بات کو سمجھ لے۔

ایک دن بیگ صاحب نے سوچا کہ انھیں خود جا کر جیکو کلب کے ماحول کا جائزہ لینا چاہیے۔ وہ کلب میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک کھلاڑی نے اپنی باری لینے کے لیے جلتی ہوئی سگرٹ فرمان کو پکڑا دی ہے۔ وہ دھک سے رہ گئے اور فوراً ایک ستون کے پیچھے ہو لیے۔ کھلاڑی نے جما کر شاٹ کھیلا اور فرمان سے سگرٹ واپس لیتے ہوئے اسے پیش کش کی کہ وہ دو چار کش لگا لے۔

فرمان نے انکار کیا تو سب لڑکے اسے سگرٹ پینے پر مجبور کرنے لگے۔ فرمان نے سختی سے انکار کیا اور آہستہ سے بولا: ''دوستو! سگرٹ پینا کوئی بڑائی نہیں ہے۔ ہاں اس سے صحت خراب اور عمر ضرور کم ہو جاتی ہے اور دنیا میں لوگوں کی اکثریت سگرٹ نہیں پیتی۔ بڑا بننے کے لیے بڑے کام کرنا پڑتے ہیں، سگرٹ پی کر تو انسان چھوٹا ہو جاتا ہے، اپنا اور اپنے گھر والوں کا مجرم بن جاتا ہے۔''

بیگ صاحب کو اس لمحے اپنے بیٹے پر بہت فخر محسوس ہوا اور وہ خاموشی سے باہر آ گئے۔ انھوں نے سوچا کہ بچپن میں وہ اسے کہانیاں سنا کر سیدھی راہ پر لاتے تھے، اب بھی ایسا کرنا چاہیے، مگر کہانی کہاں سے ملے گی۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔

اسی شام بیگ صاحب بہت اچھے موڈ میں تھے۔ فرمان نے ان سے خوشی کا سبب پوچھا تو وہ مسکرا کر بولے: ''ایک کہانی پڑھی ہے، اس نے کیا لطف دیا ہے، اب بھی اس کے سحر سے نہیں نکل سکا۔''

''ارے، تو وہ کہانی مجھے بھی سنا دیں!'' فرمان نے دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔

''لو سنو!'' انھوں نے کہنا شروع کیا: ایک حجام کی بیٹی کی شادی ایک موچی سے ہوگئی۔ موچی اپنے گھر پر چمڑا سکھایا کرتا تھا، جس سے اس کے گھر میں ایک عجیب سی بساند پیدا ہو جاتی تھی۔ موچی کی بیوی نے موچی سے گلہ کیا کہ اس گھر سے بدبو آتی ہے، جب کہ اس کا اپنا گھر ہر وقت خوش بوؤں سے معطر رہتا تھا۔ اس کا باپ جب دکان سے واپس گھر آتا تھا تو اس سے کریموں اور پاؤڈر کی خوش بو آتی تھی اور یہاں چمڑے کی ناگوار بُو کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

موچی نے اسے سمجھایا کہ یہ اس کا روزگار ہے اور اس سے چھٹکارہ ممکن نہیں۔ وہ کچھ عرصے صبر سے کام لے تو خود بخود اس ماحول کی عادی ہو جائے گی، مگر بیوی نہ مانی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس گھر سے بدبو ختم کر کے ہی دم لے گی۔ اب اس نے اپنے طور پر کوششیں شروع کر دیں۔ وہ روزانہ صبح شام اگر بتی جلانے لگی۔ شوہر کو عطر لگا کر کام پر بھیجتی اور خود بھی سینٹ لگاتی۔ کبھی عطر کپڑے پر لگا کر کپڑے کو ہوا میں لہراتی۔ اس نے

کچھ گملے بھی منگوا کر گھر میں رکھ دیے، جن میں خوش بودار پھول لگے تھے اور وہ ہر وقت گھر کو دھوتی رہتی۔ پھر بھی چمڑے کی بُو اپنی جگہ قائم تھی۔

کچھ دن گزرے تو وہ بھی اس ناگوار بُو کی عادی ہوگئی، مگر اسے لگا کہ اس نے چمڑے کی بدبو گھر میں سے ختم کر دی ہے اور جب اس نے اپنے شوہر سے فخریہ انداز میں کہا کہ دیکھا، میں نے آ کر تمھارے گھر سے بدبو کا خاتمہ کر دیا تو وہ بہت ہنسا اور اس نے اپنی بیوی کو بتایا کہ بدبو اپنی جگہ پر موجود ہے، مگر وہ خود اس بدبو کی عادی ہوگئی ہے، لہٰذا اسے لگ رہا ہے کہ اس نے بدبو کا خاتمہ کر دیا۔

بیگ صاحب نے اچانک کہانی ختم کر دی اور ایک فون سننے اندر چلے گئے۔ فرمان وہیں بیٹھا اس کہانی پر غور کرنے لگا، سوچتے سوچتے اچانک اس کے دماغ میں جیسے بجلی سی کوندی۔ وہ سر ہلانے لگا۔ جیسے کوئی بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہو۔

دوسرے دن جب وہ حسبِ معمول باہر نہیں گیا تو امی نے پوچھا کہ آج تم باہر نہیں گئے تو وہ بڑے اطمینان سے بولا: ''میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ مجھے کوئی اور کھیل کھیلنا چاہیے۔''

''ارے، ایک دم سے یہ فیصلہ کیوں؟'' امی خوش ہو کر بولیں۔

''اس لیے کہ میں حجام کی بیٹی کی طرح خوش فہم اور بے وقوف نہیں بننا چاہتا۔''

امی نے نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا، کیوں کہ انھوں نے وہ کہانی نہیں سنی تھی، مگر فرمان نے وہ کہانی سنی بھی تھی اور سمجھ بھی لی تھی۔

☆☆☆

بابا بیرو

شیخ عبدالحمید عابد

شہر آنے سے پہلے ہم لوگ گاؤں چاند پور میں آباد تھے، جہاں سب لوگ پیار و محبت سے رہتے تھے۔ گاؤں میں ایک بابا جی تھے، جن کی عمر اسی، پچاسی سال کے درمیان ہوگی۔ جھکی ہوئی کمر، ہاتھ میں لاٹھی، آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک، مگر ان کی ہمت جوانوں جیسی تھی۔ نام تو ان کا بشیر تھا۔ گاؤں میں بابا بیرو کے نام سے مشہور تھے۔

کہتے ہیں بابا بیرو کے والد نے پیدائش سے پہلے یہ منت مانی تھی کہ اگر ان کے ہاں لڑکا ہوا تو وہ ایک درخت لگائیں گے۔ چناں چہ بابا بیرو کی پیدائش کے بعد انھوں نے اپنی منت پوری کرنے کے لیے گاؤں کے بڑے ٹیلے کے پاس ایک برگد کا درخت لگایا، تاکہ وہاں سے گزرنے والے مسافروں کو آرام مل سکے۔ بابا بیرو اور برگد کا درخت ہم عمر تھے۔

ٹیلے کے اوپر بابا بیرو کا کمرا اور گھر کے اطراف میں ایک باغیچہ تھا۔ بابا بیرو کو پھولوں، پودوں، درختوں اور چڑیوں سے عشق تھا۔ پھول ان کی کم زوری تھے۔ میں جب بھی ان کے باغیچے میں جاتا، مجھے لگتا جیسے میں کسی اور ہی دنیا میں آ گیا ہوں، جہاں ہر طرف پھولوں کی بہار ہوتی۔ بابا بیرو مجھے ہمیشہ اپنے باغیچے میں کام کرتے ہوئے ملتے۔ نئے پودے لگانے کے لیے زمین کھود رہے ہوتے اور کبھی درختوں کے سوکھے پتے توڑتے ہوئے دکھائی دیتے۔ وہ جب بھی مجھ سے ملتے، بڑی محبت سے ملتے۔ مجھے ان سے عقیدت سی ہوگئی تھی۔ وہاں آنے کے بعد میرا گھر جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

میں اکثر ٹیلے کے پاس سے گزرتے ہوئے برگد کے درخت کو دیکھتا تو مجھے بابا بیرو یاد آجاتے۔ میں سوچتا، اس درخت اور بابا بیرو میں کتنی مشابہت ہے۔ برگد کے درخت کی چھال دیکھ کر مجھے بابا بیرو کی جھریوں بھری کھال والا چہرہ یاد آجاتا اور برگد کی داڑھی مجھے بابا بیرو کی داڑھی لگتی، مگر میں اکثر سوچتا کہ بابا بیرو کا قد برگد کے درخت جتنا کیوں نہیں ہے۔ اس خیال پر مجھے خود بھی ہنسی آتی، مگر اس خیال نے میرے ذہن کو مکڑی کی طرح ہر طرف سے جکڑ لیا۔

آخر ایک دن میں نے بابا بیرو سے یہ سوال کر ڈالا۔ بابا بیرو کام کرتے رُک گئے۔ میری طرف غور سے دیکھا اور پھر ہنس کر بولے: ''دیکھو بیٹے! کوئی چیز ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔ ہر چیز فنا ہو جائے گی، مگر اچھے عمل اور نیک خیال کی بلندی انسانوں کو پہاڑوں سے بھی اونچا کر دیتی ہے۔ نیکی اور عمدہ کردار پتھر کی لکیر کی طرح ہمیشہ دلوں پر نقش رہتا ہے۔''

بابا بیرو ہمیشہ ایسی باتیں کرتے اور ایسی باتیں ہمیشہ میری سمجھ سے باہر ہوتیں۔

بابا بیرو کو پھولوں سے بڑی محبت تھی۔ ان پھولوں اور پودوں کو وہ اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے تھے اور ان کا بیچنا انھیں گوارا نہ تھا۔

ایک دن میں معمول کے مطابق بابا بیرو سے ملنے آیا تو خلاف توقع بابا بیرو کی زور زور سے بولنے کی آوازیں آئیں۔ بابا بیرو کسی سے جھگڑ رہے تھے۔

یہ میرے لیے حیران کن بات تھی۔ میں نے سنا، وہ آدمی کہہ رہا تھا: ''میں ان پودوں کے پانچ سو روپے دینے کو تیار ہوں، اب تو مان جایئے۔''

پھر مجھے بابا بیرو کی غصیلی آواز سنائی دی: ''میں نے کہہ دیا، یہ پھول اور پودے بیچنے کے لیے نہیں ہیں۔ روپے پیسے سے آپ ان پھولوں کو خرید تو سکتے ہیں، مگر ان کے حقیقی رنگ و بُو سے آپ لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ یہ حقیقی مسرت تو صرف ان پھولوں کی کاشت سے حاصل ہوتی ہے۔'' وہ آدمی مایوس ہو کر خاموشی سے چلا گیا۔

دن گزرتے گئے۔ بابا بیرو کی کمر جھکتی گئی، مگر ان کے باغ کی دل کشی بڑھتی گئی۔ برگد کا درخت اس ٹیلے پر کھڑا رہا اور وہ سوال میرے ذہن میں گونجتا رہا۔

ایک دن گاؤں کے قریب بہنے والے دریا کو غصہ آ گیا۔ کھیت، مکان، انسان سب ہی سیلاب سے متاثر ہو گئے، مگر بابا بیرو کا مکان ٹیلے پر ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا اور وہ برگد کا درخت سینہ تانے اسی طرح کھڑا رہا۔ انہی دنوں گاؤں میں ہیضے کی وبا پھوٹ

پڑی۔ گاؤں والوں کے لیے پہلے ہی مصیبتیں کم نہ تھیں کہ اب رہی سہی کسر اس ہیضے نے پوری کردی۔

ان دنوں بابا بیرو بہت مضطرب اور پریشان نظر آتے تھے۔ لگتا تھا، جیسے انھیں کوئی خیال اندر ہی اندر ستائے جا رہا ہے۔ اس دن میں بابا بیرو کے پاس گیا اور بابا حسرت سے ایک ایک پھول کو دیکھ رہے تھے۔ مجھے دیکھا تو کچھ دیر چپ رہے، پھر بولے: ''بیٹا! میں نے باغ بیچ دیا ہے۔''

میں نے دیکھا، وہ آدمی جس کو اس دن بابا بیرو نے بہت زور سے ڈانٹا تھا، بابا کے پاس سے خوش خوش نکلا تھا۔ بابا کے ہاتھ میں اس وقت ڈھیر سارے روپے تھے۔ بابا کے اس فیصلے پر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

میں نے کہا: ''بابا! یہ تم نے کیا کیا؟ اپنی سب سے قیمتی چیز کو یوں کوڑیوں کے مول ناقدروں کے حوالے کر دیا۔''

بابا کچھ دیر چپ کھڑے رہے۔ عینک کے موٹے شیشوں کے پاس ان کی آنکھوں سے آنسو چھلکتے صاف نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: ''بیٹا! انسان دوستی سب سے بالاتر ہے۔ پھولوں سے محبت نے مجھے انسانوں سے محبت کرنا سکھا دیا ہے۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ گاؤں کے اوپر دکھ کے بادل منڈلاتے پھریں اور میں اپنے پھولوں، پودوں میں مگن رہوں۔ میرے فیصلے سے اگر گاؤں والوں کے آنگن میں خوشی کے پھول کھِل سکیں تو بیٹے! یہ بہت بڑا کام ہوگا۔''

بابا نے اسی دن میرے ساتھ جا کر وہ ساری رقم امدادی کیمپ میں جمع کرا دی، جو گاؤں والوں کی مدد کے لیے قائم کیا گیا تھا۔

اس دن مجھے ایسا لگا، جیسے بابا کا قد ہم سب سے اونچا ہے۔ اونچا، اونچا، اونچا...... اور بہت اونچا، برگد کے درخت سے بھی اونچا۔

گاؤں کے خوشیاں پھر سے لوٹ آئیں۔ برگد کا درخت آج بھی اس ٹیلے پر قدم جمائے کھڑا ہے۔ گاؤں کے لوگ اور مسافر اس کے سائے میں آرام کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے، بوڑھے برگد کی لمبی داڑھی پکڑ کر جھولتے ہیں۔

مگر اس دن کے بعد سے بابا بیرو گاؤں کے کسی شخص کو نظر نہیں آئے۔

☆☆☆

خطرناک بیج

عائشہ الیاس

رات کے گہرے اندھیرے میں وہ اس کوٹھی کے پچھلے حصے میں کھڑا تھا اور اس کوٹھی کے اندر پہنچنے کا کوئی راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ آخر ایک راستہ اُسے نظر آ ہی گیا۔ کوٹھی کی پچھلی دیوار کے ساتھ ایک بڑا سا درخت تھا۔ وہ اس درخت کے موٹے تنے کے اوپر چڑھ گیا اور اس کی ایک شاخ پکڑ کر کوٹھی کی دیوار کے اوپر پہنچ گیا۔ وہاں سے نیچے چھلانگ لگانا اس کے لیے بہت آسان تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتا ہوا کوٹھی کے لان میں جا پہنچا۔ لان میں ایک جگہ پہنچ کر وہ رُکا اور وہاں پر مٹی کھودنی شروع کر دی۔ ابھی اس نے تھوڑی سی مٹی ہی ہٹائی تھی کہ اسے اپنے پیچھے ایک آہٹ سنائی دی۔ اس سے پہلے کہ وہ پیچھے

مڑتا، کسی نے اس کے منہ پر ایک کپڑا رکھ دیا اور اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

وہ ایک بڑا سا کمرا تھا، جس کے اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک عجیب سی بُو بھی اس کمرے کی فضا میں بسی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ آہستہ آہستہ تاریکی کے پردے میں چھپی چیزیں واضح ہونے لگیں۔ سامنے ایک دیوار تھی۔ دیوار کے قریب ایک بڑی سی میز رکھی ہوئی تھی، جس کے اوپر بہت سارے مرتبان رکھے نظر آ رہے تھے۔ ان مرتبانوں میں وہی چیز بھری تھی، جس کی خاطر وہ اس کوٹھی میں آیا تھا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھا تو اس کا سر کسی ٹھوس چیز سے جا ٹکرایا۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا تو وہاں کوئی چیز نہیں تھی۔ اس نے دوبارہ سر اُٹھایا اور آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اس کا پورا جسم بُری طرح کسی نظر نہ

آنے والی شے سے ٹکرایا۔ اس نے اپنے اطراف میں ٹٹولا تو اسے یہ اندازہ لگانے میں بالکل دیر نہ لگی کہ وہ ایک شیشے کے صندوق میں قید ہے۔

حامد ایک بے روزگار نوجوان تھا۔ اس کے دوستوں میں کچھ ایسے بھی تھے، جن کا تعلق ایک جرائم پیشہ گروہ سے تھا۔ ان دوستوں کے ورغلانے پر وہ بھی ان میں شامل ہوگیا۔ وہاں اس سے ہر قسم کے غیر قانونی کام لیے جاتے تھے۔ ایک دن گروہ کے سرغنہ نے اسے اپنے پاس بلایا اور ایک چھوٹی سی شیشی دکھائی۔ ان شیشی کے اندر خاص قسم کے بیج تھے۔ اسے ان جیسے مزید بیج لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ بیج ایک کوٹھی کے مالک نے اپنے لان کی کیاری میں ایک جگہ دبا رکھے تھے۔ ان بیجوں میں کیا خاص بات تھی، یہ اسے نہیں بتایا گیا تھا۔ اسے لان کے اس مخصوص حصے کے بارے میں بتا دیا گیا تھا، جہاں یہ بیج دبے ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آسانی سے اس مقام تک پہنچ گیا تھا۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے سامنے آکر رک گیا۔ اس نے اپنی ایک انگلی شیشے پر رکھی اور اس سے چند لکیریں کھینچ کر ایک مربع بنایا۔ پھر اس چوکور حصے کو شیشے کے صندوق سے آسانی سے الگ کرلیا اور اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ باہر آیا تو اسے لے کر مرتبانوں کے پاس گیا اور ایک مرتبان کھول کر اس میں سے بہت سارے بیج نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے اور ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اس دروازے سے نکل کر باہر آیا تو سامنے وہی لان موجود تھا۔

ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس میں کیا بھید چھپا ہوا ہے۔ ان

بیجوں کی خاصیت کیا ہے اور یہ آدمی کون ہے۔ اس نے یہ بیج بغیر مانگے اس کے حوالے کیوں کر دیے؟ یہ سوالات اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ انہی سوچوں میں گم وہ کوٹھی سے نکل گیا اور اپنے گروہ کے سرغنہ کے پاس پہنچ کر وہ بیج اس کے حوالے کر دیے۔ سرغنہ تو ان بیجوں کو دیکھ کر خوشی سے کھل اُٹھا اور اسے اس کی توقع سے بھی زیادہ انعام دیا۔ وہ مزید اُلجھ گیا۔ اس کے دل میں تجسس جاگ اُٹھا تھا۔ وہ ان پُراسرار بیجوں کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

گروہ میں موجود اپنے دوست سے اس نے پوچھا۔ اس نے کسی کو نہ بتانے کی شرط پر اسے رازدارانہ انداز میں بتایا: ''ان بیجوں کی خاصیت یہ ہے کہ اگر ایک دفعہ انھیں کسی چیز میں ملا کر کسی کو کھلا دیا جائے تو اس کے ذہن کو مفلوج کر دیتے ہیں۔ متاثرہ شخص ایک روبوٹ کی طرح عامل کے حکم پر عمل کرنے لگتا ہے اور پھر کوئی بھی چیز اسے پہلے والی حالت پر نہیں لا سکتی۔ وہ عمر بھر کے لیے ایک غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ باس کا منصوبہ یہ ہے کہ ان بیجوں کو پورے ملک میں پھیلا کر انتشار پیدا کر کے ناجائز فائدہ اُٹھائے۔''

یہ سن کر اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ چھڑ گئی۔ وہ اس خطرناک منصوبے کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ دوسرے دن وہ ایک بار پھر اس کوٹھی کی طرف گیا۔ وہاں لان میں وہ جم کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک دروازہ کھلا اور ایک پُراسرار سا آدمی وہاں آیا۔ حامد نے انجان بن کر سوالات کرنا شروع کر دیے۔ وہ پہلے تو اسے دیکھتا رہا، پھر کمرے میں موجود ایک اور دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اندر داخل ہوا تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

اب اس کے سامنے ایک وسیع و عریض تجربہ گاہ پھیلی ہوئی تھی، جہاں ایک آدمی بیٹھا کچھ کر رہا تھا۔ وہ اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہاں وہی بیج رکھے ہوئے ہیں۔ اس آدمی نے ایک بیج اُٹھایا اور اسے پاس رکھے پانی کے ایک گلاس میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ بیج گھل کر پانی ہی کا ایک حصہ بن گیا۔ اس آدمی نے وہ گلاس اُٹھا کر اس کے ہاتھ میں دیا اور اسے پینے کا اشارہ کیا۔ حامد نے سامنے رکھے ہوئے ایک خالی جار میں وہ پانی اُلٹ دیا اور کہا: ''پروفیسر صاحب! خدا کے لیے، اپنی یہ تباہ کن ایجاد ضائع کر دیجیے۔ معصوم لوگوں پر یہ ظلم نہ کیجیے، ورنہ میں پولیس کو خبر کر دوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر اسے کھولنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ کھلا۔ وہ پلٹا تو اپنے پیچھے اسی آدمی کو گھورتا پایا۔ اس آدمی نے آگے بڑھ کر دروازے کے ساتھ لگا ایک بٹن دبایا تو فرش کو وہ حصہ جہاں حامد کھڑا تھا، کسی لفٹ کی طرح تیزی سے نیچے اُترنے لگا۔ خاصی گہرائی میں جا کر وہ پھسل کر نیچے گر پڑا۔ اوپر کھڑا وہ آدمی زور زور سے قہقہے لگا تا رہا۔ تھوڑی دیر بعد فرش واپس اوپر چلا گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس ناپاک منصوبے کو ختم کرنے کے لیے کیا کرے۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا۔ وہ جلدی سے اُٹھا اور اوپر جانے کے لیے راستہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ وہ دیواروں پر جگہ جگہ ہاتھ مار کر کوئی شے تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک دیوار پر لٹکا کیلنڈر ہوا سے اُڑا تو اس دیوار پر ایک بٹن نظر آ گیا۔ اس نے جلدی سے اس بٹن کو دبایا تو اوپر والے کمرے کا فرش تیزی سے نیچے آنے لگا۔ وہ جلدی سے اس کے اوپر کھڑا ہو گیا اور فرش واپس اوپر آیا۔ اتفاق سے پروفیسر کسی کام سے لیبارٹری سے باہر تھا۔

تجربہ گاہ پہنچتے ہی اس نے اپنی جیب سے وہ بیج نکالا، جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ بیج میز پر رکھے پانی سے بھرے گلاس میں ڈال دیا۔ وہ خود ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پروفیسر تجربہ گاہ کے ایک دروازے سے اندر آیا اور ایک طرف بیٹھ کر اپنا کام کرنے لگا۔ وہ بے چینی سے اس کے پانی پینے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گلاس اُٹھایا اور پانی پی لیا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بالکل روبوٹ کے انداز میں چلتے ہوئے ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ بالکل ایک غلام کی طرح نظر آ رہا تھا۔

پروفیسر نے جو گڑھا دوسروں کے لیے کھودا تھا، اب خود اس میں جا گرا تھا۔ اس پر بیج کا اثر ہو گیا ہے، جو اس نے انسانوں کو غلام بنانے کے لیے بنا رکھے تھے اور اب وہ خود ایک غلام بن چکا ہے۔ حامد اُٹھا اور اس کے پاس جا کر ان تمام بیجوں کو ضائع کرنے کا حکم دیا۔ پروفیسر نے اس حکم پر بلا چوں چرا عمل کیا اور بیج جلا کر ضائع کر دیے۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ ان جرائم پیشہ افراد سے یہ بیج کیسے ضائع کروائے جائیں، جنھیں وہ یہ بیج دے چکا تھا۔ حامد نے پروفیسر کو حکم دیا کہ وہ ان تمام لوگوں سے رابطہ کر کے ان سے یہ بیج واپس منگوائے اور انھیں بتائے کہ ان بیجوں میں کوئی خامی رہ گئی ہے، وہ اس خامی کو دور کر کے یہ بیج انھیں واپس کر دے گا۔ پروفیسر نے یہ حکم بھی مان لیا اور ان تمام لوگوں سے بیج واپس منگوا کر ضائع کر دیے۔

حامد یہ کام نمٹا کر سیدھا پولیس اسٹیشن پہنچا اور وعدہ معاف گواہ بن کر پولیس کو باس کے متعلق ساری معلومات دے دیں۔ وہ پولیس کی تحویل میں تھا، مگر اس کا ضمیر مطمئن تھا ☆

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کرکے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

سوچنے کی بات

مرسلہ : مومنہ ابوجی، وہاڑی

اسلام ایک کلاس ہے۔ ہم اس کے طالب علم ہیں۔ قرآن ہمارا نصاب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے استاد ہیں۔ نیک اعمال ہمارے پریکٹیکل ہیں۔ رمضان ہمارا ٹیسٹ ہے۔ قیامت کا دن نتیجے کا دن ہے۔ اول آنے کی کوشش کرو۔

دیانت یہ ہے

مرسلہ : حماد انیس، قائد آباد

ایک دن ایک عورت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس خز (ایک قسم کا ریشمی کپڑا) کا تھان لے کر آئی کہ اسے فروخت کرنا ہے۔ امام صاحب نے دام پوچھے تو اس نے سو درہم بتائے۔

امام صاحب نے فرمایا: ''کم ہیں۔''

اس نے کہا: ''دو سو درہم۔''

امام صاحب نے فرمایا: ''یہ تھان پانچ سو سے کم قیمت کا نہیں۔''

عورت نے تعجب سے کہا: ''شاید آپ مذاق فرما رہے ہیں؟''

امام صاحب نے پانچ سو درہم اسے ادا کر دیے اور تھان رکھ لیا۔

اس دیانت نے نقصان کے بجائے ان کی دکان کو اور مشہور کر دیا۔

اتحاد

مرسلہ : محمد اسامہ اکرم، ٹامیوالی

ایک دن بازار میں ایک ریڑھی والے کے پاس گیا، جو انگور بیچ رہا تھا۔ میں نے انگوروں کی قیمت پوچھی۔ وہ بولا: ''ایک سو بیس روپے کلو۔''

ریڑھی پر ایک طرف ٹوٹے ہوئے

انگوروں کے دانے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے اس کا بھاؤ پوچھا تو ریڑھی والے نے بتایا: ''ساٹھ روپے کلو۔''

میں نے پوچھا: ''اتنا کم دام کیوں؟''

وہ بولا: ''ہیں تو یہ بھی عمدہ، لیکن یہ گچھے سے الگ ہوگئے ہیں، اس لیے ان کی قیمت کم ہے۔''

اسی وقت سے میرے ذہن میں یہ بات بار بار گردش کرنے لگی کہ اپنی قوم سے جڑے رہنے میں ہی ہماری قدر و قیمت ہے، جب کہ الگ ہونے پر ہماری قیمت گر جاتی ہے۔ واقعی اتفاق میں طاقت ہے۔

یہ بول بڑے اَن مول

مرسلہ : حافظ محمد اشرف، حاصل پور

☆ تم خاموشی کے ساتھ محنت کرتے رہو، تمھاری کامیابی خود شور مچائے گی۔

☆ درگزر کرنے سے ماضی تو نہیں بدلتا، لیکن مستقبل ضرور خوش گوار ہو جاتا ہے۔

☆ جھوٹ بول کر جیت جانے سے بہتر ہے کہ سچ بول کر ہار جاؤ۔

☆ جو نصیب میں ہے، وہ چل کر آئے گا اور جو نہیں ہے، وہ آ کر بھی چلا جائے گا۔

☆ باہمت لوگ کبھی ہارا نہیں کرتے، وہ یا تو جیت جاتے ہیں یا سیکھ جاتے ہیں۔

☆ بے عیب دوست تلاش کرو گے تو تنہا رہ جاؤ گے۔

حملے کی وجوہ

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

مشہور مزاح نگار شفیق الرحمٰن مرحوم نے اپنی ایک نثری پیروڈی ''تزکِ نادری'' میں لکھا ہے کہ نادر شاہ کو جب یہ بتایا گیا کہ ہر حملے کی کچھ وجوہ ہوتی ہیں (جو بعد میں تاریخ کے اساتذہ اپنے شاگردوں کو بتاتے ہیں) اس لیے آپ کے ہندستان پر حملے کی کچھ وجوہ بھی ضروری ہیں۔ سو بادشاہ کے حکم پر ایک بورڈ قائم کیا گیا، جس نے وجوہ کی ایک فہرست تیار کی، جن میں سے کچھ یہ تھیں۔

۱۔ ہندستان کے گویے اپنی گائیکی میں ''نادر دھیم تانا دھیرے نا'' کا الاپ کرتے ہیں جس سے بادشاہ سلامت کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔

۲۔ بادشاہ سلامت کی ایک رشتے کی پھوپی گوجرانوالہ میں رہتی ہے، اس سے بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہو پائی وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سب سے دل چسپ فوری اور آخری وجہ تھی کہ یوں بھی ہندستان پر کافی عرصے سے کوئی حملہ نہیں ہوا۔

بندر کی شیخی

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

ایک دفعہ ایک بندر اور ایک کتا ساتھ ساتھ کہیں جارہے تھے۔ راستے میں ایک ٹیلہ آ گیا۔ بندر اس پر چڑھ گیا اور ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے لگا۔

کتے نے پوچھا: ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

بندر نے کہا: ''یہ ایک قبرستان ہے، جس میں کئی شیر، بھیڑیے اور چیتے دفن ہیں۔ یہ سب میرے نوکر تھے۔ کوئی باورچی تھا، کوئی دھوبی، کوئی مالش کرنے والا، کوئی جھاڑو دینے والا تھا، میں ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔''

کتا کہنے لگا: ''کاش! یہ زندہ ہوتے اور یہ بات تم ان کے سامنے کہتے۔''

خاص بات

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

جو لوگ آپ سے اعلانیہ اختلاف رکھتے ہیں، ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں۔ پریشان تو ان لوگوں کے بارے میں ہوں، جو آپ سے اختلاف تو رکھتے ہیں، لیکن اظہار نہیں کرتے۔

ضمیر

مرسلہ : عائشہ صدیق، دستگیر

انھیں یقین تھا کہ نام کا اثر شخصیت پر ہوتا ہے۔ بڑے بیٹے کا نام زاہد تھا، اس لیے وہ نماز روزے کے پابند تھے۔ ایک

بیٹے کا نام امداد تھا، وہ ہر وقت لوگوں کی مدد کو تیار رہتا۔ ایک بیٹی بڑی نفاست پسند تھی، کیوں کہ اس کا نام نفیسہ تھا۔ اس سے چھوٹی بیٹی کا نام چوں کہ صاعقہ رکھا گیا تھا، اس لیے وہ ہر وقت آسمانی بجلی کی طرح کڑکتی رہتی تھی۔ اس سے چھوٹی بیٹی کا نام مسرت تھا، چناں چہ وہ ہر وقت خوش رہتی اور خوشیاں بکھیرتی، لیکن والد کو چھوٹے بیٹے کا نام رکھنے پر بزرگوں کی طرف سے سب سے زیادہ باتیں سننے کو ملیں۔ انھوں نے اس کا نام ''ضمیر'' رکھا تھا۔ وہ ہر وقت سویا رہتا تھا۔

تحریر شناس

مرسلہ: سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

ایک ماہر تحریر شناس، جو تحریر دیکھ کر مستقبل کی پیش گوئی کرتا تھا۔ ایک دن اس کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی نوٹ بک تھی، جسے اس نے تحریر شناس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا: ''اس بچے کی تحریر دیکھ کر بتائیے کہ یہ زندگی میں کوئی نمایاں کام کر سکے گا یا نہیں؟''

تحریر شناس چند لمحے ناقابلِ فہم، بے ڈھنگی تحریر کا مطالعہ کرتا رہا پھر اس نے سر اُٹھا کر خاتون سے پوچھا: ''کیا یہ آپ کے پوتے یا نواسے کی تحریر ہے؟''

''نہیں، نہ میں اس کی دادی، نانی ہوں نہ رشتے دار۔'' بوڑھی خاتون نے جواب دیا۔

''تو پھر میں کھل کر اس کی آیندہ کی زندگی کے متعلق بتاتا ہوں۔'' تحریر شناس نے خوش کن لہجے میں بے ڈھنگی تحریر کو محدب عدسے سے دیکھتے ہوئے کہا: ''یہ بچہ نہایت احمق ہے اور اس کے دماغ میں بھوسا بھرا ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ آیندہ زندگی میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکے گا۔''

خاتون نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا: ''یہ نوٹ بک آپ کی ہے، جب آپ بچپن میں ننھے منے طالب علم تھے۔ میں آپ کی سابقہ استانی ہوں۔'' ☆

ننھے مزاح نگار

😊نیا قیدی: ''یہ بہت ہی قدیم طرز کی جیل ہے۔ آخر حکومت اس کی حالت کچھ بہتر کیوں نہیں بناتی؟''

جیلر: ''کیا مطلب ہے تمھارا؟''

قیدی: ''مطلب یہ ہے کہ میں تین مرتبہ یہاں آیا ہوں اور ہر مرتبہ مجھے روشن دان ہی کے ذریعے سے فرار ہونا پڑا ہے۔''

مرسلہ : عائشہ خان، کراچی

😊فوجیوں کے ٹرک میں سے ڈیزل ختم ہوگیا۔ ڈرائیور نے میجر سے کہا کہ سب فوجی نیچے اُتریں اور پیٹرول پمپ تک دھکا لگائیں۔ سب نے پیٹرول پمپ تک دھکا لگایا۔ بہت سے فوجی نوجوان نڈھال اور کچھ بے ہوش ہو چکے تھے۔ ڈرائیور نے ڈیزل ڈلوایا۔ میجر نے کہا کہ پیچھے جو ڈرم پڑا ہے، اس میں بھی ڈلوا دو۔

ڈرائیور: ''وہ تو بھرا ہوا ہے سر! ایمرجنسی کے لیے رکھا ہوا ہے۔''

مرسلہ : حلیمہ صابر، جگہ نامعلوم

😊استاد (شاگرد سے): ''سب سے بڑا پرندہ کون سا ہے؟''

شاگرد: ''جناب! ہاتھی۔''

استاد (غصے سے): ''نالائق، تمھارے ابا کیا کرتے ہیں؟''

شاگرد: ''جناب! وہ پولیس افسر ہیں۔''

استاد (نرمی سے): ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، ہاتھی ہی سب سے بڑا پرندہ ہے۔ کل ہماری دیوار پر بھی تین ہاتھی بیٹھے تھے۔''

مرسلہ : نام پتا نامعلوم

😊شوہر جب تھکا ہارا آفس سے لوٹا تو اپنی بیوی سے پوچھا: ''تم آج کھانا نہیں پکا رہی ہو؟''

بیوی بولی: ''میں آج بیمار ہوں، اس لیے کھانا نہیں پکا سکتی۔''

شوہر بولا: ''اچھا تو تم بیمار ہو، میں نے

تو سوچ رکھا تھا کہ آج ہم خوب شاپنگ کریں گے۔''

بیوی جھٹ سے بولی: ''نہیں، نہیں میں تو بیمار نہیں، میں تو بس مذاق کر رہی تھی۔''

یہ سن کر شوہر بولا: ''میں بھی مذاق کر رہا تھا۔ اب اُٹھو اور کھانا پکاؤ۔''

مرسلہ : سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

☺ ایک شخص کے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اس نے فون اُٹھایا اور پوچھا: ''کون بول رہا ہے؟''

فون کرنے والے شخص نے کہا: ''میں بول رہا ہوں۔''

پہلے شخص نے جواب دیا: ''کتنی عجیب بات ہے، اِدھر سے بھی میں بول رہا ہوں۔''

مرسلہ : صباء عبدالغنی، کراچی

☺ رضوان نے چوتھی جماعت پاس کرتے ہی آگے پڑھنے سے انکار کر دیا۔

''لیکن بیٹا! صرف چار جماعتیں پڑھ کر تم کیا کرو گے۔'' والدین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں تیسری جماعت کو ٹیوشن پڑھایا کروں گا۔'' بیٹے نے جواب دیا۔

مرسلہ : محمد زاہد، کراچی

☺ ایک بے حد موٹی عورت کے گھر میں چور گھس آیا۔ عورت اسے دیکھ کر اس کے پیچھے لپکی۔ چور گھبراہٹ کے مارے گر پڑا۔ موٹی عورت چور کی کمر پر سوار ہو گئی اور شوہر کو تھانے کی طرف دوڑایا۔ شوہر چپل تلاش کرنے کے بعد بولا: ''بیگم! چپل نہیں مل رہی ہے۔''

نیچے دبے ہوئے چور نے کہا: ''اللہ کے بندے، میری چپل پہن کر چلے جاؤ۔''

مرسلہ : سمیرا گل ناز یوسف، کراچی

☺ ایک اسکول میں وزیر تعلیم آنے والے تھے۔ اسکول کا عملہ فکر مند تھا۔ اساتذہ نے بچوں کو سوالات کی مشق کروا دی۔ ایک لڑکے کو صرف اس بات کی مشق کروائی کہ جب وزیر تعلیم تم سے پوچھیں کہ تمھیں کس نے بنایا تو جواب دینا کہ اللہ نے بنایا ہے۔

وزیر تعلیم تشریف لائے تو انھوں نے سوال کیا: ''بھئی، آپ لوگوں کو کس نے بنایا ہے؟''

پوری کلاس پر خاموشی چھائی رہی،

وزیر تعلیم نے یہی سوال جب دوبارہ پوچھا تو ایک چھوٹی بچی نے جواب دیا: ''سر! جس لڑکے کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، وہ آج اسکول نہیں آیا۔''

مرسلہ : شہریار قاضی، حیدرآباد

☺ ایک سپاہی تین لڑکوں کو پکڑ کر تھانے میں لایا۔ انسپکٹر نے ایک سے پوچھا: ''تم کس جرم میں آئے ہو؟''

اس نے کہا: ''میں لوٹا ڈبو رہا تھا تو سپاہی پکڑ کر لے آئے۔''

انسپکٹر نے کہا: ''چلو! بھاگ جاؤ۔''

دوسرے سے پوچھا تو اس نے کہا: ''میں نے لوٹے کو دریا میں دھکیلا تھا۔''

انسپکٹر نے اس کو بھی چھوڑ دیا۔

جب تیسرے کو بلایا اور پوچھا تو اس نے کہا: ''میں ہی وہ لوٹا تھا، جسے وہ ڈبو رہے تھے۔''

مرسلہ : جہانزیب کمال، جگہ نامعلوم

☺ امیر آدمی نے گاؤں والوں کے لیے پانی کا کنواں کھدوایا۔ کنواں کھودتے وقت بہت سے بچے اردگرد جمع ہوگئے۔

امیر آدمی نے کہا: ''یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ گڑھے میں گر جاؤ گے۔''

ایک بچہ معصومیت سے بولا: ''جی نہیں، جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتا ہے، وہی اس میں گرتا ہے۔''

مرسلہ : پرویز حسین، کراچی

☺ گھوڑوں کی ریس شروع ہوچکی تھی۔ ایک گھوڑے کے مالک سے اس کے دوست نے پوچھا: ''آپ کا گھوڑا کون سا ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ''میرا گھوڑا وہ ہے، جس نے سب گھوڑوں کو آگے لگا رکھا ہے۔''

مرسلہ : مومنہ ابوجی، وہاڑی

☺ محکمہ پولیس میں بھرتی ہو رہی تھی۔ ایک نابینا بھی وہاں پہنچا اور پولیس انسپکٹر سے کہنے لگا: ''جناب! مجھے بھی بھرتی کرلیں۔''

انسپکٹر نے حیرت سے پوچھا: ''تم کیا کام کرسکتے ہو؟''

نابینا: ''جناب! میں اندھا دھند فائرنگ کرسکتا ہوں۔''

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں ۱۲ سوالوں کے سامنے تین ممکنہ جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک درست ہے۔ کم سے کم ۸ درست جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے تمام درست جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر تمام درست جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ ۸ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ درست جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ ستمبر ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارۂ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱ حضرت ایوبؑ کی والدہ .... کی بیٹی تھیں۔ (حضرت ادریسؑ ۔ حضرت لوطؑ ۔ حضرت الیاسؑ)

۲ حضور اکرمؐ کے سب سے بڑے صاحب زادے .... تھے۔ (حضرت ابراہیم ۔ حضرت عبداللہ ۔ حضرت قاسم)

۳ دنیا میں سب سے پہلے تاریخ .... میں لکھی گئی۔ (یونان ۔ مصر ۔ ہندستان)

۴ .... پاکستان اور چین کو آپس میں ملاتا ہے۔ (درہ قراقرم ۔ درہ بابوسر ۔ درہ خنجراب)

۵ پاکستان کے سابق صدر محمد ایوب کا انتقال ۲۰- اپریل .... کو ہوا تھا۔ (۱۹۷۴ء ۔ ۱۹۷۵ء ۔ ۱۹۷۶ء)

۶ پاک فوج کے میجر شبیر شریف کو نشان حیدر کے علاوہ .... بھی دیا گیا تھا۔ (ہلال جرأت ۔ ستارہ جرأت ۔ تمغہ جرأت)

۷ مشہور ''اسوان ڈیم'' .... پر بنایا گیا ہے۔ (دریائے نیل ۔ دریائے ایمیزون ۔ دریائے زائر)

۸ مسلمان کیمیاداں اور طبیب .... نے سب سے پہلے چیچک اور خسرے کے بارے میں کتاب لکھی تھی۔ (ابونصر فارابی ۔ ابن الہیثم ۔ ذکریا رازی)

۹ ''منیلا .... کا دارالحکومت ہے۔ (ارجنٹائن ۔ فلپائن ۔ یوکرائین)

۱۰ ''مٹی کا دیا'' اردو کے مشہور ادیب .... کی خود نوشت ہے۔ (اشفاق احمد ۔ میرزا ادیب ۔ مشفق خواجہ)

۱۱ اردو زبان کی ایک کہاوت یہ ہے: ''حلوائی کی دکان اور .... کی فاتحہ۔'' (نانا جی ۔ دادا جی ۔ بابا جی)

۱۲ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

قاصد کے آتے آتے ، خط اک اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں ، جو وہ .... جواب میں (کہیں گے ۔ لکھیں گے ۔ سوچیں گے)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۶۱ (ستمبر ۲۰۱۷ء)

نام :

پتا :

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- ستمبر ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (ستمبر ۲۰۱۷ء)

عنوان :

نام :

پتا :

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- ستمبر ۲۰۱۷ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

صحّی معلومات کی معیاری کتابیں

حکیم محمد سعید کے طبّی مشورے

شہید حکیم محمد سعید عظیم طبیب اور مقبول ترین معالج تھے۔ انھوں نے قارئین ہمدرد نونہال اور مریضوں کے سوالات کے جواب میں بے شمار بیماریوں کے علاج بتائے ہیں، جو مسعود احمد برکاتی نے اس کتاب میں بڑے سلیقے سے جمع اور مرتب کر دیے ہیں۔

نواں ایڈیشن

صفحات : ۳۴۴ قیمت : ۳۰۰ رُپے

مفید غذائیں دوائیں

غذا اور صحت سے متعلق ایک عمدہ کتاب

اس کتاب میں ۲۰۰ غذاؤں اور دواؤں کے خواص بیان کیے گئے ہیں، جن میں طب مشرقی اور جدید طب، دونوں کی تحقیقات شامل ہیں۔

گیارھواں ایڈیشن

صفحات : ۲۴۰ قیمت : ۲۸۰ رُپے

اعضا بولتے ہیں

بچوں اور بڑوں میں شعور صحت پیدا کرنے کے لیے یہ کتاب آسان زبان میں اور دل چسپ ہے۔ انسان کے مختلف اعضا کیا خدمات انجام دیتے ہیں، کس جگہ ہوتے ہیں، انھیں کون کون سی بیماریاں لاحق ہوسکتی ہیں اور ان کا علاج کیا ہے؟ یہ سب معلومات ہمارے اعضا اپنے بارے میں خود بیان کرتے ہیں۔ اعضا کی رنگین تصاویر کے ساتھ یہ کتاب طالب علموں کے لیے خاص طور پر نہایت مفید ہے۔

چوتھا ایڈیشن

صفحات : ۱۲۲ قیمت : ۱۲۰ رُپے

پھل بولتے ہیں

پھلوں کے بارے میں مفید معلومات، خود پھلوں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ ایک دل چسپ کتاب جو بچوں اور بڑوں کو پھلوں کے خواص بتانے کے ساتھ ساتھ پھل کھانے کا شوق بھی پیدا کرتی ہے۔

سید رشید الدین احمد کی مقبول کتاب پھلوں کی رنگین تصاویر کے ساتھ

آٹھواں ایڈیشن

صفحات : ۱۲۰ قیمت : ۱۷۵ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۔ ۷۴۶۰۰

ہنڈ کلیا

شمیم بانو، کراچی

دہی قیمہ

قیمہ (موٹا کٹا ہوا) : آدھا کلو / تیل : دو کپ / دہی : ایک پاؤ

ٹماٹر (درمیانے) : دو عدد / پیاز (درمیانی) : دو عدد

دھنیا : حسب ضرورت / چاٹ مسالا : حسب ذائقہ

ترکیب: تیل گرم کر کے اس میں تھوڑا تھوڑا کر کے قیمہ تلیں اور چھلنی میں نکالتے جائیں، تاکہ تیل نیچے رہ جائے۔ اب دہی، چاٹ مسالا، ٹماٹر، کٹی ہوئی پیاز، دھنیا، تیل نکلے ہوئے قیمے میں شامل کرلیں۔ بس تیار ہے۔

تلا ہوا گوشت

گوشت (بغیر ہڈی کا) : آدھا کلو / میدہ : ایک پیالی / انڈے : دو عدد

سویا ساس : ایک چمچ بڑا / اجینو موتو : آدھا چمچ چھوٹا

نمک : حسب ضرورت / تیل : تلنے کے لیے

ترکیب: گوشت کو دھو کر جھینگے کے سائز میں کاٹ لیں۔ ایک پیالے میں میدہ، نمک، سویا ساس، اجینو موتو اور انڈے ڈال کر اچھی طرح ملا لیں۔ یہ آمیزہ نہ زیادہ سخت ہو اور نہ بہت نرم۔ اس آمیزے میں گوشت کے ٹکڑے اس طرح ملا لیں کہ آمیزہ اچھی طرح گوشت میں لگ جائے۔ اسے آدھا گھنٹا لگا رہنے دیں۔ اب فرائی پن میں تیل گرم کر کے گوشت کے ٹکڑوں کو اس وقت تک تلیں جب تک سنہرے نہ ہو جائیں، پھر ٹماٹر کی چٹنی اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

☆☆☆

بکرا بیتی

ثانیہ گلزار

میں ایک کسان کے گھر میں پیدا ہوا۔ گاؤں کے کسان نے اپنے گھر میں کئی قسم کے جانور بھی پال رکھے تھے۔ ان میں میری ماں بھی شامل تھی۔ میرے ساتھ دو بھائی اور بھی تھے۔ میں بچپن ہی سے کھانے پینے کا بہت شوقین تھا۔ جہاں چارہ دیکھتا، لپک پڑتا، یہاں تک کہ اپنے بھائیوں کا حصہ بھی کھا جاتا۔

ماں میری اس عادت کی وجہ سے سخت عاجز آ چکی تھیں، مجھے بار بار منع کرتیں کہ بیٹا! زیادہ نہ کھایا کرو، موٹے ہو جاؤ گے اور کسی کام کے نہ رہو گے۔ میں ان کی نصیحت ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا۔

اس کا جو نتیجہ نکلنا تھا، وہی نکلا۔ میں اچھا خاصا موٹا تازہ بکرا بن گیا، جب کہ میرے بھائی دبلے پتلے ہی رہے۔ میری ماں جو مجھے نصیحتیں کرتی رہتیں، وہ مجھے دیکھ کر بے حد پریشان ہوتیں۔ وہ زمانہ شناس تھیں اور ہم ٹھیرے نادان۔

عیدِ قرباں کی آمد آمد تھی اور میں اچھا خاصا تن درست و توانا ہو چکا تھا۔ ایک دن کسان کو نہ جانے کیا سوجھی کہ میری رسی کھول کر گھر سے باہر اپنے ساتھ لے جانے لگا۔ میں مستقبل سے بے خبر خوش خوش کسان کے ساتھ جا رہا تھا۔ کسان نے مجھے ایک گاڑی میں بٹھایا۔ گاڑی چلنا شروع ہوئی تو میں گاؤں کے نظاروں میں کھو گیا، لیکن جب گاڑی گاؤں کی حدود سے نکلی تو مجھے گڑبڑ کا احساس ہوا۔ میں نے بے اختیار ممنانا شروع کر دیا۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد گاڑی رک گئی۔ میں نے آنے والے حالات کے لیے خود کو تیار کر لیا۔ اب جو کسان مجھے گاڑی سے اُتارنے کی کوشش کرے، میں اُترنے کا

نام نہ لوں۔ آخر موٹا ہونے کے باوجود میں ہار مان گیا، کیوں کہ کسان بھی خوب تگڑا تھا۔

جہاں گاڑی رکی، وہاں کافی جانور تھے اور اپنے اپنے مالکوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ میرا مالک مجھے ایسے ہی ایک شخص کے پاس لے آیا۔ کچھ بحث و مباحثے کے بعد کسان مجھے اس شخص کے پاس چھوڑ گیا۔ اب اپنے حال پر رونا آیا اور ماں کی یاد آئی۔ ساتھ ہی ان کی نصیحت بھی کہ زیادہ نہ کھایا کرو۔

یہ جگہ منڈی کہلاتی ہے۔ وہاں مختلف خریدار آتے، ہمیں ٹٹول کر دیکھتے، کچھ لوگ جانوروں کو خرید کر لے جاتے، کچھ بغیر جانور کے خالی ہاتھ واپس چلے جاتے۔ میں بھی جانوروں کے درمیان چپ چاپ کھڑا تھا کہ ایک شخص میری طرف آیا، جس کے ساتھ دو بچے بھی تھے۔ یہ بچے ہی اس شخص کو میری طرف آنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اس شخص نے آ کر میرے نئے مالک سے میری قیمت پوچھی تو مالک نے اسے وہ دام بتلائے کہ بے چارے کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

مگر بچے مجھے ساتھ لے جانے کی ضد کرنے لگے۔ آخر وہ شخص دوبارہ آیا اور کچھ دام کم کروائے، پھر وہ لوگ مجھے خرید کر اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے۔

یہاں میری خوب خاطر مدارت کی گئی۔ میں غم زدہ اپنے پیاروں سے بچھڑا ہوا تھا۔ انھوں نے اپنی طرف سے خوب کوششیں کی اور طرح طرح کی گھاس میرے سامنے لا رکھی، مجھے نہلاتے، سیر کراتے، گلیوں میں لے جاتے اور بڑے فخر کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے میرا تذکرہ کرتے۔

آخر عیدِ قرباں کا دن آ گیا۔ عید کے پہلے ہی روز میری قربانی کی تیاریاں

زوروشور سے شروع تھیں۔قسائی آیا اور اس نے مجھے زمین پر لٹا دیا۔ جیسے وہ چھری پھیرنے لگا، مجھے اپنی جان خطرے میں محسوس ہوئی۔ میں نے غصے میں آ کر ایک زوردار لات رسید کی کہ بے چارہ قسائی تو کراہتا رہ گیا۔فوراً ہی کچھ لوگ میری طرف بڑھے۔ اچانک مجھے سنتِ ابراہیمیؑ کا خیال آ گیا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ میں شیطان کے وسوسے میں آ گیا اور اپنی زندگی کے اصل مقصد کو بھلا بیٹھا تھا۔ جیسے ہی مجھے اس بات کا احساس ہوا، میں نے خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔قسائی بے چارہ گھبرایا ہوا تھا، لیکن اب کی بار میں نے کوئی مزاحمت نہ کی اور حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی سنت کو زندہ کرتا اپنی زندگی کا مقصد سمجھ کر اللہ کی راہ میں قربان ہو گیا۔ ☆

سلیم فرخی

پالتو چھپکلی

چھپکلی ایک ایسی رینگنے والی مخلوق ہے، جس سے سب ہی گھن کھاتے ہیں۔ عورتیں اور بچے تو اس سے بہت ہی ڈرتے ہیں، لیکن ''مک گائیوز'' نامی ایک ایسی عجیب وغریب، لحیم شحیم چھپکلی ہے، جسے گھر میں پالا جاتا ہے۔ تصویر میں نظر آنے والی یہ چھپکلی ارجنٹائن کے ایک شخص اسکاٹ کی ملکیت ہے۔ اس چھپکلی کی عمر چار سال ہے۔ اس کے پیر فوم کی طرح نرم ہیں۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ جب اسے گلے لگایا جائے تو یہ بہت خوش ہوتی ہے۔ اسے نہانے کا بھی بہت شوق ہے۔
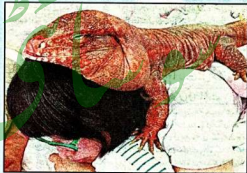
دنیا کی پہلی اُڑن کار

جادوئی کہانیوں میں آپ نے اُڑن کھٹولے کا ذکر اکثر پڑھا ہوگا، یعنی اُڑتا پلنگ۔ گزرے زمانے میں جو خواب تھا، اب حقیقت کے روپ میں سامنے آگیا ہے۔ امریکا میں ایک ایسی اُڑن کار تیار کرلی گئی ہے، جو ۷۲۰ ہارس پاور کے انجن سے اُڑتی ہے۔ اس میں چار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اس اُڑن کار میں ۸ عدد پنکھڑیاں (روٹر) لگی ہیں، جو حسب ضرورت کار کی سمت بدلتی ہیں۔ یہ اُڑن کار ہیلی کاپٹر کی طرح بلند ہوتی اور زمین پر اُترتی ہے۔ اس کار میں مزید کچھ تبدیلیاں کی جائیں گی۔ یہ ''مولر ایم ۴۰۰ اسکائی کار'' کہلاتی ہے۔ اس کار کی قیمت پچاس لاکھ ڈالر یعنی تقریباً پچاس کروڑ روپے ہے۔ اس کار کی پہلی آزمائش ۲۰۰۱ء میں کی گئی تھی۔ ☆

ہمدرد نونہال اسمبلی

لاہور

رپورٹ : سید علی بخاری

محترم مجیب الرحمٰن شامی خطاب کر رہے ہیں، محترمہ سعدیہ راشد بھی موجود ہیں۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے ''ایک ہوئے تھے تو بنا تھا پاکستان، ایک ہوں گے تو بچے گا پاکستان'' کے موضوع پر روزنامہ ''پاکستان'' لاہور کے فورم میں ہمدرد نونہال اسمبلی کی خصوصی نشست سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ان دنوں ہم پاکستانی لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تفرقوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہماری سربلندی اور بھلائی کا راستہ یہ ہے کہ ہم سب پاکستانی ایک دل اور ایک جان بن کر اس ملک کی عظمت و رفعت کے لیے کام کریں۔ ہماری فلاح و بہبود، خوش حالی اور امن و سکون کے لیے ضروری ہے کہ ہم مل جل کر رہیں، آپس میں بھائی چارہ قائم کریں، ایک دوسرے سے محبت کریں، باہمی تعاون کی فضا قائم کریں، سیاسی اختلافات کو دشمنی کی شکل نہ دیں۔ بنیادی قومی مسائل سے عہدہ برا ہونے کے لیے ہمیں ایک بار پھر حصولِ پاکستان والی اجتماعی سوچ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ یہی ہماری بقا کا راز ہے، جسے ہر وقت ذہن میں رکھنا بے حد ضروری ہے۔ ہمیں عہد کرنا ہوگا کہ ہم اپنے پیارے وطن پاکستان اور اس کے سبز ہلالی پرچم کے تقدس کو پامال نہیں ہونے دیں گے۔

چیف ایڈیٹر روزنامہ ''پاکستان'' محترم مجیب الرحمٰن شامی نے صدارت کی۔ نظامت کے فرائض نونہال نویرا بابر نے نبھائے، جب کہ گفتگو میں محمد حارث رضا، ملائکہ صابر، ملک محمد عادل اور دعا منصور شریک تھے۔ پروگرام کا آغاز نونہال سید محمد حذیفہ بلال کی تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا۔ نونہال منیب الرحمٰن قاری نے نعت پڑھی اور نونہال حسنین بخاری نے ملی نغمہ پیش کیا۔ محترم مجیب الرحمٰن شامی نے روزنامہ ''پاکستان'' لاہور میں محترمہ سعدیہ راشد کی آمد پر اور ہمدرد نونہال اسمبلی کو ''پاکستان'' فورم میں ترتیب دیے جانے پر ان کا شکریہ

ادا کیا۔ محترم شامی صاحب نے شہید حکیم محمد سعید کی یادوں کو بھی تازہ کیا کہ حکیم صاحب انسان دوست، علم دوست اور عجز وانکساری سے لبریز ایک باکمال شخصیت تھے، جنھوں نے اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہوئے اور سادگی میں رہتے ہوئے زندگی بسر کی۔ انھوں نے کہا کہ بچے قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ اساتذہ، والدین اور میڈیا پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بچوں کو زندگی کے اچھے پہلوؤں سے آگاہ کریں۔

محترمہ سعدیہ راشد، محترم مجیب الرحمٰن شامی کو شیلڈ پیش کر رہی ہیں۔
جناب سید علی بخاری اور دیگر مہمانانِ گرامی بھی موجود ہیں۔

ایسا کرنے سے ہم مستقبل میں بہتری لا سکتے ہیں۔ آج کا پاکستان بہت زیادہ مضبوط ہے۔ کل جب ہم آزاد ہوئے تھے تو اتنے مضبوط نہ تھے، آج ہم ایک ایٹمی طاقت ہیں۔ پاکستان میں بہتری کے مزید مواقع پیدا ہو رہے ہیں اگر ہم ایک ساتھ مل کر کوشش کریں تو انھیں مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

اجلاس کے اختتام پر نونہال منیب الرحمٰن قادری اور ملک محمد عادل کی سال گرہ کا کیک بھی کاٹا گیا۔

محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ نے روزنامہ "پاکستان" کے دفاتر کا دورہ کیا اور محترم منیب الرحمٰن شامی کو مہرِ نبویؐ شیلڈ عطا کی۔ اس موقعے پر محترم علی شامی، محترم عثمان شامی اور محترم محمد فاروق بھی موجود تھے۔

☆☆☆

پھول، پودے، درخت

ظفر شمیم

دو پتا پھول : یہ پھول صرف دو پتیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ دو نازک پتے گھوم کر اپنے اندر پھول کے نر اور مادہ حصوں کو ڈھانپے رکھتے ہیں۔ اس انتہائی حسین پھول کی بے شمار اقسام ہیں۔ گلاب کے بعد ان کا استعمال سب سے زیادہ کیا جاتا ہے۔ گلدستوں کی زینت و آرائش، تحفہ دینے اور ہار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے منافع بخش فصل کے طور پر کاشت بھی کیا جاتا ہے۔

جنوبی افریقا کا ایک پھول : سترہ نازک اور ترتیب سے مڑی ہوئی پنکھڑیوں والا یہ پھول

جنوبی افریقن ڈیزی (SOUTH AFRICAN DAISY) کہلاتا ہے۔ اس پھول کا پھیلاؤ تقریباً ایک فٹ ہوتا ہے۔ یہ پھول بارش والے مقامات پر اپنے آپ کھِلتا ہے۔ پھول کے زردانے تتلیوں اور دوسرے کیڑوں مکوڑوں کے ذریعے سے ایک سے دوسرے پھول تک پہنچتے ہیں، جہاں زیرگی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

ایک نایاب درخت : برطانیہ میں عالمی تحفظ برائے نباتاتی باغات کے سائنس دانوں نے مختلف اقسام کے درختوں کی درجہ بندی کی ہے، جس کے مطابق دنیا بھر میں درختوں کی ۶۰ ہزار ۶۵ اقسام پائی جاتی ہیں۔

اسلامی ملک تنزانیہ میں درخت کی ایک نایاب قسم ''کیرو میا گیگاس'' دریافت کی گئی ہے۔ دنیا بھر میں اس قسم کے صرف چھے درخت ہیں، جو صرف تنزانیہ ہی میں ہیں۔

گندگی کھانے والا پودا : جگمگاتے موتیوں اور ننھے روئی کے گالوں کی طرح نظر آنے والی یہ

چیز دراصل گندگی کھانے والے پودے ہیں۔ ان میں عام پودوں کی طرح سبز مائع کلوروفل نہیں ہوتا۔ یہ گندگی کو استعمال میں لاکر اپنی خوراک خود تیار کر لیتے ہیں۔ ڈِڈی مم اِری ڈِس (DIDYMUM IRIDIS) نامی یہ پودا گلے سڑے پودوں کے پتوں اور شاخوں وغیرہ پر اپنا ڈیرہ جماتا ہے اور ماحول کو صاف ستھرا کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ☆
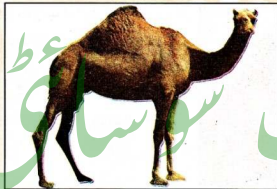
ایک اونٹ ہزار فائدے

اونٹ کے بارے میں ایک عام سا خیال ہے کہ یہ صحرائی جانور صرف ریگستان میں سفر کرنے کے کام آتا ہے، لیکن اب عربوں نے اس پر تحقیق کر کے جان لیا ہے کہ یہ جانور سر سے پاؤں تک فائدے مند ہے۔ اس سے گوشت، دودھ کے علاوہ اور بہت سی دوسری چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ عرب ریاستوں میں اونٹ کی دوڑ کے مقابلے بھی ہوتے ہیں۔

یوں تو اونٹ کی رانوں اور پیٹ پر بھی گوشت ہوتا ہے، لیکن اس کے کوہان میں جو گوشت ہوتا ہے، وہ بہت چربی والا ہوتا ہے۔ اب اس کے گوشت کے برگر بھی بننے لگے ہیں، جو بے حد لذیذ ہوتے ہیں۔ عرب امارات کے ایک بڑے ہوٹل کے مالک نے بتایا کہ شادی بیاہ کے موقعوں پر پورے بھنے ہوئے اونٹ کا آرڈر آتا ہے۔ ہمارے پاس بڑے سائز کے اوون ہیں، جن میں ہم سالم اونٹ کو بھون لیتے ہیں۔ اونٹ کا بھنا گوشت ذائقے دار ہوتا ہے۔ سلاد اور دہی کے ساتھ ذائقہ بڑھ جاتا ہے۔

ملکہ قلوپطرہ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ گدھی کے دودھ سے غسل کرتی تھی، تاکہ اس

کی جلد شگفتہ رہے۔ اونٹنی کے دودھ میں بھی ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ کوئی اس سے غسل کرتا یا منھ دھوتا رہے گا تو اس کی جلد کی تازگی برقرار رہے گی۔ گائے کے دودھ کی نسبت اس میں تین گنا زیادہ وٹامن ''سی'' موجود ہے۔ چناں چہ اسے پینے سے اعصابی ریشے مضبوط ہوتے ہیں۔

اونٹ کی چربی سے اب صابن بھی بننے لگا ہے، جو عرب کی ریاستوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ اُمید ہے کہ چند برسوں کے بعد ہمارے ملک میں بھی فروخت ہونے لگے گا۔ یہ صابن اونٹنی کے دودھ اور زیتون کے تیل کو ملا کر بنایا جاتا ہے، لہٰذا یہ جلد کو ملائم رکھتا ہے۔

وہ کتے جن کی جلد نہایت حساس ہوتی ہے، ان کے لیے اونٹنی کے دودھ سے خاص قسم کا صابن تیار کیا جاتا ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اب اس صابن سے اونٹوں کو بھی غسل دیا جا رہا ہے۔ اونٹنی کے دودھ اور چند مخصوص درختوں کے بیجوں کو پیس کر شامل کرنے کے بعد چہرے کو تازگی دینے والی کریمیں بھی تیار کی جا رہی ہیں۔ ایک کمپنی اونٹنی کے دودھ میں اسٹرابیری شامل کر کے ہونٹوں کا بام بھی بنانے لگی ہے۔ اونٹنی کے دودھ کو خشک کر کے ڈبوں میں بھی بھرا جانے لگا ہے۔

دبئی کی ایک کمپنی اونٹنی کے دودھ، شہد اور بادام کو ملا کر چاکلیٹ بھی بنا رہی ہے۔ اس چاکلیٹ پر کافی تجربات ہوئے ہیں، لہٰذا انھوں نے درج بالا آمیزے میں کھجوریں بھی ملانا شروع کر دی ہیں، جس سے چاکلیٹوں کا ذائقہ بڑھ گیا ہے۔

خواتین کے لیے اونٹ کی کھال کے ہینڈ بیگ بھی بنائے جاتے ہیں۔ یہ گائے کی کھال کی نسبت زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ ان بیگوں کی دل کشی میں اضافہ کرنے کے لیے ان پر پینٹ بھی کیا جاتا ہے۔ اونٹ چوں کہ صحرائی حیوان ہے اور صحرا کے خشک درختوں میں اُٹھتا بیٹھتا ہے، اس لیے اس کی کھال پر خراشیں پڑ جاتی ہیں، لہٰذا اس کی کھال کو خشک

کرنے کے بعد اسے رگڑ کر چکنا کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ اسی لیے اونٹ کی کھال سے خوش نما مردانہ جوتے نہیں بن پاتے۔

اونٹنی کا تازہ دودھ اب دکانوں پر فروخت ہونے لگا ہے۔ اونٹ کے دودھ میں چکنائی کم ہوتی ہے، البتہ پروٹین گائے کے دودھ جتنا ہی ہوتا ہے۔ جن افراد کو ذیابیطس (شوگر) کا مرض ہو، انھیں اونٹنی کا دودھ ضرور پینا چاہیے، اس لیے کہ یہ خون میں شامل شکر کو کم کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے کھیر اور شیر خرما بھی بنایا جا سکتا ہے۔ مٹھائی تیار کرتے وقت بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ذائقے کے اعتبار سے یہ ذرا سا نمکین ہوتا ہے۔ بازاروں میں اس کی آئس کریم بھی تیار کی جا رہی ہے۔

ایک کمپنی "فیملی ڈرنکس" کے نام سے خواتین، مردوں اور بچوں کے لیے علاحدہ علاحدہ اونٹنی کے دودھ کے شربت متعارف کرا رہی ہے۔ دودھ کا انرجی ڈرنک بھی جلد آنے والا ہے۔

اونٹنی کا دودھ نکالنا دشوار ہوتا ہے۔ ایک اونٹنی دن میں صرف ۷ لیٹر دودھ دیتی ہے، جب کہ ایک گائے دن میں ۳۰ سے ۳۵ لیٹر دودھ دیتی ہے۔ بازاروں میں اونٹنی کا جو دودھ فروخت ہوتا ہے، خوش بُو کے لحاظ سے اس کی کئی قسمیں ہیں۔ دودھ کے ساتھ اب پنیر بھی دستیاب ہے۔

اونٹ کی ہڈیوں اور دانتوں سے اب خواتین کے لیے نت نئے زیورات بھی بنائے جا رہے ہیں۔ دنیا کے بہت سے ممالک میں ان زیورات پر نقوش بھی اُبھارے جاتے ہیں، جن میں پاکستان، بھارت، ایران اور دبئی شامل ہیں۔ زیورات بنانے میں گھٹنے کی ہڈی زیادہ استعمال ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ دوسری ہڈیوں کی نسبت مضبوط ہوتی ہے۔ زیورات کے علاوہ اونٹ کی ہڈیوں سے سجاوٹ کی چیزیں بھی بنائی جانے لگی ہیں۔ گویا اونٹ کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو بے کار اور فالتو ہو۔ ☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

بسمہ قمر، کراچی ۔ مریم شہزاد، کراچی

حلیمہ صابر، ہری پور ۔ مریم اشتیاق، گلزارِ ہجری

محمد طفیل ملک، جہلم ۔ محمد عمران، کراچی

ملک محمد طلحہ محمود، خانیوال ۔ سید جنید علی، ملیر ہالٹ

سبز پرچم

مرسلہ : بسمہ قمر، کراچی

سبز پرچم سے ہماری شان ہے
قوم کی عظمت کی یہ پہچان ہے
اس سے قائم ہے وقارِ زندگی
اس کے دم سے ہے بہارِ زندگی
ہے یہ پرچم اپنی عظمت کی دلیل
اور ہے اپنی شان و شوکت کی دلیل
خوب یہ لہرا رہا ہے مان سے
اُڑ رہا ہے دیکھو یہ کتنی شان سے
خوب صورت اس کا ہر انداز ہے
قوم کو اس پہ بہت ہی ناز ہے
شان اپنی خوب دکھلاتا رہے
تا ابد پرچم یہ لہراتا رہے

ہمارا وطن

حلیمہ صابر، ہری پور

ہمارا وطن ہرے بھرے اور سرسبز و شاداب کھیتوں، کوہساروں، میدانوں، بلند و بالا پہاڑوں اور جنگلوں والا ملک ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح ہمارے ملک کے بانی ہیں۔ اس وطن کا ہر شہر، ہر محلّہ، ہر گلی اور ہر وادی قائداعظم کو خراجِ تحسین ادا کرتی رہتی ہے۔ بلاشبہ قائداعظم محسن قوم ہیں۔ انھی کی کوششوں سے ہم آج آزاد ہیں۔

ہمارے وطن کے تمام صوبوں کے لوگوں میں پیار و محبت پایا جاتا ہے۔ اللہ کا

لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس وطن میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ مزدور کسان محنتی اور جفاکش ہیں۔ دن رات محنت کر کے ارضِ مقدس کو شاداب بناتے اور ملک کو ترقی دینے کے لیے انتھک محنت کرتے ہیں۔ پہاڑ قیمتی معدنیات سے بھرے ہوئے ہیں۔

گندم، کپاس اور چاول بڑی زرعی پیداوار ہیں۔ یہاں چینی، ٹیکسٹائل مصنوعات، کھیلوں کا سامان، زرعی، مشینری اور طبی آلات بنانے کے کارخانے لگائے گئے ہیں۔ دیہاتی اور شہری باشندوں کے لیے ہر قسم کی آسایش موجود ہے۔ صاف ستھری سڑکیں، موٹر کاریں، ویگنیں، فلائنگ کوچز، بسیں، ریل گاڑیوں کا انتظام ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں ہوائی اڈے بھی ہیں۔ اب تو موٹر وے نے فاصلوں کو سمیٹ دیا ہے۔ قصبوں اور دیہاتوں میں بھی شفاخانے، ڈاک خانے اور اسکول موجود ہیں۔

اسکولوں اور کالجوں میں وطن کے نونہال تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں۔ یونی ورسٹیوں میں اعلا تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

پانی کا ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیم بھی بنائے جا رہے ہیں۔ یہ ایک بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک کے بیشتر رہنے والے کلمہ گو ہیں۔ عرب، ایران، ترکی، عراق، شام، افغانستان، مصر اور چین سے ہمارے وطن کے گہرے برادرانہ تعلقات ہیں۔ یہ وطن ترقی کے راستے پر گامزن ہے۔

یہاں کے نوجوان بہادر اور جان نثار ہیں۔ اردو ہماری پیاری میٹھی اور قومی زبان ہے، گو یہاں بہت ساری زبانیں بولی جاتی ہیں۔ پاکستان کے لوگ صحت مند، تن درست اور توانا ہیں۔ یہاں کی فوج ناقابلِ تسخیر قوت ہے۔ ہم سب پاکستانی ہر سال یومِ آزادی ۱۴- اگست ۱۹۴۷ء مناتے اور قائداعظم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس وطن کی حفاظت کی دعا کرتے ہیں۔ مجھے اپنے پاکستانی ہونے پر فخر ہے اور اپنے وطن سے بے پناہ پیار ہے۔

قائداعظم

محمد طفیل ملک، جہلم

قائداعظم کتنے اچھے تھے
اپنے قول و فعل میں سچے تھے
کب وہ مشکل میں گھبراتے تھے
طوفانوں سے بھی لڑ جاتے تھے
محنت روز و شب کرتے تھے
محبت ان سے سب ہی کرتے تھے
خوب رب نے عزت ان کو دی
دنیا بھر میں شہرت ان کو دی
قائداعظم پاک وطن کے بازو تھے
دنیا بھر میں چرچے ان کے ہر سُو تھے
ان کے نقشِ قدم پر چلنا سب
تقدیر اپنی خود بدلنا سب

میجر محمد طفیل شہید

ملک محمد طلحہ محمود، خانیوال

میجر محمد طفیل شہید ۱۹۱۴ء میں مشرقی پنجاب (بھارت) کے علاقے ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں فوج سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں دشمن نے سابقہ مشرقی پاکستان (موجود بنگلہ دیش) کے علاقے لکشمی پور پر رات کے اندھیرے میں قبضہ کرلیا۔

پاک فوج نے اپنا علاقہ دشمن سے آزاد کرانے کے لیے میجر محمد طفیل کا انتخاب کیا۔ میجر محمد طفیل مضبوط اعصاب اور پختہ ارادوں کے مالک تھے۔ ۱۷- اگست کو میجر محمد طفیل اپنے ساتھیوں کو لے کر لکشمی پور کے محاذ پر پہنچے۔ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ دشمن کی بھاری تعداد فوج نے ایک بلند ٹیلے پر قبضہ کر کے اس پر مورچے بنا کر مشین گنیں نصب کی ہوئی ہیں۔

انھوں نے بھانپ لیا کہ دشمن کے مقابلے میں ہماری فوج کی تعداد بہت کم ہے اور بلند ٹیلے پر قابض ہونے کی وجہ سے اس کی پوزیشن مضبوط ہے۔ ان ہزاروں فوجیوں سے مقابلے کے لیے میجر محمد طفیل نے اپنے ۷۵ جوانوں کا انتخاب کیا اور انھیں تین دستوں میں تقسیم کردیا۔ اپنے ماتحت محمد اعظم کو اپنا نائب مقرر کیا اور دو دستے ان کی نگرانی میں دیے، جنھیں اطراف سے حملہ کرنا تھا۔ تیسرا دستہ خود ان کی نگرانی میں تھا، جسے لمبا چکر کاٹ کر ٹیلے کے پیچھے سے حملہ کرنا تھا۔ حملے کے لیے صبح چھ بجے کا وقت مقرر رہا۔

وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کی طرف بڑھے۔ جب میجر محمد طفیل دشمن کے بالکل قریب پہنچ گئے تو بدقسمتی سے وہ دشمن کی نظروں میں آ گئے۔ دشمن نے مشین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ کردی۔ پاک فوج کے جوانوں کی طرف سے اللہ اکبر کی صدا آئی اور معرکے کا آغاز ہوگیا۔ میجر محمد طفیل نے ایک مورچے پر دستی بم پھینکا اور اس کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردیا۔ یہ دیکھ کر دشمن فوجی نے دوسرے مورچے سے گولیوں کی بوچھاڑ کردی۔ میجر محمد طفیل اس کی زد میں آ گئے۔ ان کے پیٹ میں تین گولیاں لگیں، مگر انھوں نے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ شدید زخمی ہیں۔ انھوں نے ایک اور دستی بم پھینک کر دوسرے مورچے کو بھی تباہ کردیا اور مسلسل فائرنگ جاری رکھی، یہاں تک کہ مقابل فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔

پاک فوج کے اعلا افسروں کی آمد پر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور سیلوٹ کر کے بولے: ''جناب! میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں، دشمن بھاگ گیا ہے۔'' یہ کہہ کر آپ گر گئے اور اسپتال میں جا کر شہید ہوگئے۔

ڈاکٹروں نے اس بات پر شدید

حیرت کا اظہار کیا کہ پیٹ میں تین گولیاں لگنے کے باوجود میجر محمد طفیل شہید نہ صرف زندہ رہے، بلکہ پانچ گھنٹے تک لڑتے بھی رہے۔ اس عظیم کارنامے پر میجر محمد طفیل شہید کو ''نشانِ حیدر'' سے نوازا گیا۔

اس عظیم قومی ہیرو کی یاد آج بھی اہلِ وطن کے دلوں میں زندہ ہے۔

لگا بندھا معمول

مریم شہزاد، کراچی

''اُف کیا بدمزگی ہے۔ وہی روزانہ ایک ہی طرح کے کام، صبح اُٹھو، اسکول جاؤ، آ کر نماز پڑھو، کھانا کھاؤ، پھر مدرسے اور ٹیوشن، پھر وقت ہے تو کھیلو، ورنہ کھانا کھاؤ اور سو جاؤ۔'' عارف نے جھلا کر کہا۔

''تو تم کیا چاہتے ہو؟ کیا ہونا چاہیے، اسکول نہ جائیں، یا کھانا نہ کھائیں، اسکول کا کام نہ کریں، کیا نہ کریں؟'' اس کے بھائی سبحان نے پوچھا۔

''پتا نہیں، چھٹیاں ہو جائیں تو الگ اُکتاہٹ ہوتی ہے۔ پتا نہیں، میں کیا چاہتا ہوں!'' عارف نے کہا۔

اس پر اکثر اس طرح کی بے زاری کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اس کی خود سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

ایک دن وہ صبح سو کر اُٹھا تو اس کی کمر کے ایک جانب ہلکا ہلکا درد تھا۔ وہ اسے نظر انداز کر کے اسکول چلا گیا، مگر درد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ دوسرے پیریڈ تک درد اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ اس نے استاد صاحب کو بتایا تو انھوں نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے فوراً اس کے گھر فون کرایا اور اس کے ابو اس کو لینے آ گئے۔

اسپتال لے گئے تو معالج نے درد کا ٹیکا لگا دیا اور کچھ طبی معائنہ کرانے کو کہا۔ معائنے کے بعد پتا چلا کہ گردے میں معمولی سی پتھری ہے، جس کی وجہ سے درد ہو رہا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہے۔ ڈاکٹر نے مکمل آرام کو کہا اور دوائیاں دی اور بہت سارا پانی پینے کو کہا۔

گھر آ کر وہ فوراً ہی لیٹ گیا۔ اس سے کھانا کھایا گیا نہ وہ مدرسے جاسکا۔ تین دن اس تکلیف میں گزر گئے۔ اس کو نہ اسکول یاد آیا اور نہ مدرسہ، نہ کھیل۔ چوتھے دن وہ سو کر اُٹھا، تو اس کو لگا کہ آج وہ بالکل ٹھیک ہوگیا ہے۔ اس نے کمرے سے باہر آ کر دیکھا تو اس کے بہن بھائی اسکول جارہے تھے۔ اس نے اپنے بھائی سبحان سے کہا: ''بازار سے کاپیاں لے آنا، تاکہ میں کام مکمل کرلوں۔''

امی نے کہا: ''آج اور رک جاؤ، کل جمعہ ہے میں اور تم مل کر تین دن میں سب کام کرلیں گے۔''

یہ سن کر عارف کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ اب بھی اسے تھکن محسوس ہورہی تھی۔ وہ سوچنے لگا، پورا ہفتہ ہوگیا، ایک چھوٹے سے پتھر نے میرا سارا معمول کا کام بگاڑ دیا، اللہ تعالیٰ نے ہم کو کتنا مکمل بنایا ہے۔ یہ لگا بندھا معمول کتنا اچھا ہوتا ہے۔ اب میں ناشکری نہیں کروں گا۔

عید

مریم اشتیاق، گلزار ہجری

عید ہے اور عید کے تہوار میں
ہر کوئی مصروف ہے کاروبار میں
عید میں میلہ لگ رہا ہے ہر طرف
ہو رہی ہے ہاؤ ہو، بازار میں
شاہی مسجد، شاہی قلعہ، چڑیا گھر
سیر کرتے پھر رہے ہیں کار میں
بانٹتے ہیں عید کے تحفے بھی ہم
شہر کے ہر مفلس و نادار میں
اچھے بچو! یاد رکھنا ہے انھیں
جو ہیں مشکل میں، آزار میں

عزم سے عظمت

محمد عمران، کراچی

کاشف اپنے ماں باپ اور اپنی دو بہنوں کے ساتھ گاؤں کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا۔ وہ روزانہ صبح سویرے اپنے والد کے ساتھ گاؤں کے زمیندار اکبر خان کے کھیتوں میں کام کرنے پہنچ جاتا۔ کاشف کی ماں اور بہنیں زمیندار کے گھر پر کام کرتیں۔ اسی طرح ان کی گزر بسر ہو رہی تھی۔

کاشف کو پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے گاؤں میں کوئی اسکول نہیں تھا۔ گاؤں کا زمیندار اکبر خان یہ بات جانتا تھا کہ اگر گاؤں کے لوگ تعلیم یافتہ ہو گئے تو وہ پھر اس کے کھیتوں میں کوئی کام نہیں کرے گا۔ اسی وجہ سے اس نے گاؤں میں کوئی بھی اسکول نہیں کھلنے دیا۔

ایک دن اچانک سیلاب آیا اور پانی سارے گاؤں میں بھر گیا۔ سیلاب کے بعد بیماری پھیلی تو اس دوران کاشف کے والد اور دونوں بہنیں ہلاک ہو گئیں۔

اس حادثے کے بعد کاشف اپنی ماں کو ساتھ لے کر شہر آ گیا، جو جمع پونجی ان کے پاس تھی، اس کی مدد سے کاشف نے شہر میں ایک جگہ جھونپڑی بنائی اور ہوٹل میں کام کرنا شروع کر دیا۔ محنتی تو وہ تھا ہی، اس نے بہت جلد ہوٹل کے مالک کے دل میں جگہ بنا لی۔ ہوٹل کا نیک دل مالک اس پر بھروسا کرنے لگا۔

ایک دن ہوٹل کے مالک نے دیکھا کہ کاشف اسکول جانے والے بچوں کو بڑی حسرت کے ساتھ دیکھ رہا ہے تو وہ اس کے پاس گیا اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اسے پوچھا: ”بیٹے! کیا بات ہے؟“

کاشف نے اسے سب کچھ سچ سچ بتایا اور کہا: ”اگر ہمارے گاؤں میں کوئی اسپتال ہوتا تو شاید یہ سانحہ نہ ہوتا۔ اس لیے میں پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں، تاکہ اپنے گاؤں میں اسپتال بنا سکوں، جہاں لوگوں کو مفت دوا مل سکے۔“

ہوٹل کا مالک کاشف کی اس نیک سوچ پر بہت خوش ہوا اس نے کاشف کا اسکول میں داخلہ کروادیا اور کتابیں، کاپیاں اور دیگر چیزوں کے ساتھ اسے نیا یونی فارم دلوادیا اور کہا: ''اب تم صبح اسکول جایا کرو اور شام کو ہوٹل پر کام کرنا۔ تمھاری تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ضرور پوری ہوگی۔ اب دل لگا کر پڑھو اور ڈاکٹر بن کر دکھاؤ۔''

کاشف نے ہوٹل کے مالک سے وعدہ کیا کہ وہ ضرور دل لگا کر پڑھے گا۔ سب نے دیکھا کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ پہلے اسکول میں، پھر کالج اور پھر یونی ورسٹی میں بھی اعلا کارکردگی کی بدولت ایک کامیاب ڈاکٹر بن کر دکھادیا۔

ایک دن وہ سرکاری فرمان کے ساتھ اپنے گاؤں میں داخل ہوا اور اپنے گاؤں میں پہلا اسپتال قائم کیا، جس میں مفت علاج ہوتا تھا۔ اس نے گاؤں میں ایک بڑا اسکول بھی کھولا، جس میں وہ کبھی کبھی خود بھی پڑھانے جاتا تھا۔

کاشف کو ایک کامیاب انسان دیکھ کر گاؤں والے اپنے بچوں کو بھی علم حاصل کرنے کے لیے اسکول بھیجنے لگے۔ اس کے بعد گاؤں میں کسی بڑے زمیندار نے کاشف کے کسی بھی کام میں دخل نہیں دیا، کیوں کہ وہ حکومت کے آگے مجبور تھے۔ کاشف نے اپنی دن رات کی محنت سے اپنے گاؤں کو ایک خوب صورت اور ترقی یافتہ گاؤں بنادیا۔

بُرائی کا بدلہ اچھائی سے

سید جنید علی، ملیر ہالٹ

نان پور نامی قصبے میں دو دوست عابد اور فراز رہا کرتے تھے۔ فراز شریر اور بدتمیز تھا، جب کہ عابد سیدھا اور معصوم لڑکا تھا۔

ایک دن عابد، فراز کے گھر کچھ دن رہنے کے لیے آیا، کیوں کہ اس کے ماں باپ قصبے سے باہر گئے ہوئے تھے۔ فراز کی ماں مہمان کو رحمت کی جگہ زحمت سمجھتی تھیں،

جب کہ فراز کے والد بہت نیک انسان تھے۔فراز کی امی نے سوچا کہ اس کے ماں باپ نہ جانے کب آئیں گے جب تک یہ ہمارے گھر پر ہی پڑا رہے گا۔

ایک دن فراز کی امی نے عابد کے کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملا دی، جس سے وہ بے ہوش ہوگیا۔ انھوں نے فراز سے کہا کہ اس کی طبیعت خراب ہے، اسے اس کے گھر چھوڑ آؤ۔

جب فراز نے عابد کو اُٹھایا تو اس نے دیکھا کہ عابد کا جسم ٹھنڈا پڑ چکا ہے۔ اب فراز کی امی اور فراز پریشان ہوگئے۔ دونوں سوچ رہے تھے کہ عابد مر چکا ہے۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ دیکھا تو فراز کے ابو کام سے واپس آگئے تھے۔ جب تمام ماجرا فراز نے اپنے ابو کو بتایا تو ان کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے فراز کی امی اور فراز کو نصیحت کی کہ مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے، انھیں یہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ فراز اور اس کی امی نے ان سے معافی مانگی اور کہا کہ آیندہ ہم ایسی غلطی نہیں کریں گے۔

فراز کے ابو نے کہا کہ اس کو اسپتال لے جانا ہوگا۔ فراز ٹیکسی لے کر آیا اور وہ لوگ عابد کو اسپتال لے گئے۔ فراز خود پولیس اسٹیشن پہنچ گیا اور انسپکٹر صاحب کے سامنے بیان دیتے ہوئے ماں کا جرم اپنے سر لے لیا۔

ادھر عابد کے گھر والوں کو اطلاع دی گئی۔ سب کا رو رو کے بُرا حال تھا۔ ادھر انسپکٹر صاحب نے فراز کو حوالات میں بند کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ سب لوگ دعا کر رہے تھے کہ عابد کو کچھ نہ ہو، اور اس کو ہوش آجائے۔ آخر سب کی دعا رنگ لے آئیں اور عابد ہوش میں آگیا۔

عابد نے آنکھ کھلتے ہی پوچھا کہ میرا دوست فراز کہاں ہے۔ جب پتا چلا کہ فراز پولیس اسٹیشن میں ہے تو عابد کو صدمہ ہوا اور اس نے ڈاکٹر سے ضد کی کہ اس کو پولیس اسٹیشن جانے دیں۔

عابد پولیس اسٹیشن گیا اور انسپکٹر صاحب

سے عرض کیا کہ یہ میرا بہت اچھا دوست ہے اور آپ اس کو چھوڑ دیں۔ اس سے جو غلطی ہوئی، اسے مذاق سمجھ کر معاف کردیں۔ انسپکٹر صاحب نے عابد کی مان لی اور فراز کو اس کے ساتھ جانے دیا اور فراز کو سمجھایا کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرنا۔

فراز نے دیکھا کہ عابد اس کو لینے آیا ہے تو وہ عابد سے گلے مل کر خوب رویا اور اس سے معافی مانگی اور عابد نے بھی فراز کو دل سے معاف کردیا۔ فراز کی امی نے بھی ان کے گھر والوں سے معافی مانگی۔ اب لوگ ان کی دوستی کی مثالیں دیتے ہیں۔

اللہ کی نافرمانی

سجاد حسین ظفر، کراچی

مس نے کلاس میں حاضری لینے کے بعد بچوں سے کہا: "ہمارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں، سب اللہ کی دی ہوئی ہیں، اللہ ہم سے ماں باپ سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں، لیکن پھر بھی ہم اللہ اور رسول کی نافرمانی کرتے ہیں یہ بہت بُری بات ہے۔"

عمر نے پوچھا: "مس! ہم کیسے اللہ سے لڑ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو ہم سے بہت دور ہیں۔"

مس نے کہا: "دیکھو، لڑائی آمنے سامنے بھی ہوتی ہے اور لڑائی کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنے بڑے کا حکم نہ مانا جائے اور مسلسل ان کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے، اس طرح بڑے ناراض ہوجاتے ہیں۔ مسلسل اس رویے کی وجہ سے لڑائی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ سُود سے باز آجاؤ، ورنہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے (البقرہ:۲۷۸)۔ اب میں آپ کو سُود کا مطلب بھی بتا دیتی ہوں، سُود کا مطلب ہے کہ کسی سے اُدھار رقم اس شرط پر لینا یا کسی کو دینا کہ جتنی رقم کی ادائی ہوئی ہے، اس سے زیادہ واپس کرنا ہوگی۔ یہ زائد رقم سُود ہے۔ جیسے عمر نے خالد کو ۱۰۰ روپے اس شرط پر اُدھار دیے کہ خالد ایک مقررہ وقت کے بعد عمر کو ۱۱۰ روپے واپس کرے گا، یعنی ۱۰ روپے زائد ادا کرے گا۔ یہ زائد رقم سُود ہے۔"

ہمارے ملک کے مالیاتی اداروں میں سُود کا متبادل نظام بھی رائج ہے۔ اسلامی بینکاری میں نفع، نقصان کی بنیاد پر احتیاط سے کاروبار کیا جاتا ہے۔ ☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ جولائی ۲۰۱۷ء کے بارے میں ہیں

❁ خاص نمبر بہت شان دار تھا۔ تمام کہانیاں لاجواب تھیں۔ میری طرف سے تمام اراکین کو اتنا خوب صورت خاص نمبر پیش کرنے پر ڈھیروں مبارکباد۔ سب سے بہترین تحریر انکشاف (م۔ص۔ایمن) تھی۔ اس کے علاوہ قیمتی تحفہ (مسعود احمد برکاتی)، آدم خور شیرنی (کرنل جم کاربٹ)، مہربان ڈاکٹر (جدون ادیب)، ملازم بھائی (جاوید بسام)، سچی گواہی (ثمینہ پروین)، اُدھار کی سیڑھی (احمد عدنان طارق)، اور بلاعنوان کہانی (محمد اقبال شمس) لاجواب تھیں۔ مضامین میں میرے بڑے ابا (سعدیہ راشد)، عیدالفطر (شیخ عبدالحمید عابد)، علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مسعود احمد برکاتی)، یہ زمین و آسمان (عبدالرب احمد)، انوکھے ساحلی پرندے (نسرین شاہین)، انگلستان (محمد انس شفیق)، ساحلی جنگلات (ڈاکٹر سہیل برکاتی)، لاش کا پھول، ٹھنڈی دھات اور ٹل فائٹنگ (رانا محمد شاہد) بہترین مضمون تھے۔ حکیم محمد سعید صاحب کی تمام تحریریں زبردست تھیں۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات ہمیشہ کی طرح شان دار تھے۔ "روشن خیالات" واقعی سونے سے لکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ صاف سیدھے راستے پر (مسعود احمد برکاتی)، رحم دل سلطان (محمد شاہد حفیظ)، غیبی مدد (فاطمہ سحر شفیق)، چمڑے کی سڑک (ڈاکٹر عمران مشتاق)، کابوس کا شکار (خلیل جبار)، زبان کا وار (محمد احمد تاجور)، موٹو شکاری (محمد ذوالقرنین خان)، لکھی ہوئی نیکی (اُمِ عادل)، شہزادہ اور ابابیل (شکیل صدیقی)، احساسِ ندامت (محمد فاروق دانش)، بہادر سردار (الیاس کے سی صاحب)، پُراسرار بوڑھا (جاوید اقبال) اور عید سے پہلے (غلام محی الدین ترک) انتہائی خوب صورت کہانیاں تھیں۔ صباء عبدالغنی، کراچی۔

❁ خاص نمبر بہت پسند آیا۔ ناول انکشاف (م۔ص۔ایمن) بہت خوب صورت تحریر ہے۔ چمڑے کی سڑک (ڈاکٹر عمران مشتاق)، ملازم بھائی (جاوید بسام)، قیمتی تحفہ (مسعود احمد برکاتی)، کابوس کا شکار (خلیل جبار) اور لکھی ہوئی نیکی (اُمِ عادل) عمدہ کہانیاں تھیں۔ مہربان ڈاکٹر پڑھ کر ڈر لگنے لگا۔ حکیم محمد سعید کی تحریریں اور واقعات اچھے تھے۔ محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ کی "میرے بڑے ابا" نے بھی رسالے کی شان میں اضافہ کیا۔ باقی تمام تحریریں اور سلسلے عمدہ تھے۔ فلزہ وقار، جہلم۔

❁ خاص نمبر واقعی بہت خاص تھا۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی، لیکن مسعود احمد برکاتی کی کہانی قیمتی تحفہ بہت اچھی لگی۔ مجھے ہیری پوٹر کا اردو میں ناول چاہیے۔ سرورق کے لیے تصویر کیسے بھیجی جاتی ہے؟ عائشہ خان خانزادہ، ٹنڈو جام۔

> یہ ناول ہمارے ادارے نے نہیں چھاپا ہے۔ دوسرے ادارے کا ہمیں علم نہیں۔ تین سے پانچ سال کے بچے کی خوش گوار موڈ میں ۵×۷ انچ کی تصویر ڈاک سے اشاعت کے لیے بھیجی جا سکتی ہے۔

❁ ماشاء اللہ سبھی کہانیاں زبردست تھیں اور یقیناً ان کا انتخاب انتہائی محنت اور جانفشانی سے کیا گیا تھا اور ان کہانیوں نے خاص نمبر کو چاند لگانے میں پورا پورا حصہ لیا۔ محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ کی تحریر "میرے بڑے ابا" بہت شان دار تھی۔ مسعود احمد برکاتی کی کہانی "قیمتی تحفہ" بھی کسی سے کم نہیں تھی۔ م۔ص۔ایمن کی تحریر "انکشاف" نے بھی ہمارے سماجی رویوں کی خوب عکاسی کی۔ کرنل جم کاربٹ کی سنسنی خیز اور شکاریات پر مبنی کہانی نے تو میلا ہی لوٹ لیا۔ جدون ادیب کی "مہربان

ڈاکٹر" نے بھی انسانی ہمدردی اور مسیحائی کا درس دیا۔ جاوید بسام صاحب کی "ملازم بھائی" بھی خوب تحریر تھی۔ شمینہ پروین کی "سچی گواہی" نے بھی دوستی کے عظیم رشتے کو اُجاگر کیا اور ایک نشانہ باز کی عقل مندی نے کھیل کا پانسا ہی پلٹ ڈالا۔ اُدھار کی سیڑھی بھی لاجواب تحریر تھی۔ "بلاعنوان کہانی" میں ایک دیانت دار اور فرض شناس پولیس افسر کی ذہانت نے آخر چوروں کو پکڑوا ہی ڈالا۔ محمد ابوبکر اشرف آرائیں کبیر والا۔

● خاص نمبر بہت اچھا تھا۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ مجھے نونہال بک کلب کا ممبر بننا ہے۔ انکل! درست لفظ طوطا ہوتا ہے یا طوطا؟ عائزہ خان، کراچی۔

توتا درست ہے۔

● میں ہر مہینے باقاعدگی سے ہمدرد نونہال پڑھتی ہوں۔ کہانیوں میں "انکشاف" ناولٹ زبردست لگا۔ تمام سلسلے بھی بہت اچھے تھے۔ انیقہ عبدالجبار، کراچی۔

● خاص نمبر بہت ہی دل کش تھا۔ میٹھی عید کی مٹھائی جیسا تھا۔ زیادہ کہانیاں پڑھنے میں مزہ آیا۔ حمدِ باری تعالیٰ اور نعتِ رسول مقبولؐ بہت ہی پسند آئی۔ کہانی میں نیکی، مدد، رحم دل سلطان، عیدالفطر، انوکھے ساحلی پرندے، نونہال خبرنامہ، اِدھر اُدھر سے، چمڑے کی سڑک، ایک درویش انسان، کابوس کا شکار، زبان کا دار، معلومات ہی معلومات، موٹو شکاری، لکھی ہوئی نیکی، شہزادہ اور ابابیل، مسکراتی لکیریں، پُراسرار بوڑھا، بنسی گھر، بلاعنوان کہانی بہت بہت اچھی لگیں۔ احمد رضا، احتشام شیخ محمد حسن رضا عطاری، جگہ نامعلوم۔

● خاص نمبر زبردست تھا۔ کہانیاں، لطیفے، نونہال مصور، سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ میں تین سال سے ہمدرد نونہال کی ننھی سی قاریہ ہوں۔ حمیرا خاتون، فاضل۔

● تمام کہانیاں اور نظمیں بہت پسند آئیں، لیکن مجھے لکھی ہوئی نیکی، مہربان ڈاکٹر، آدم خور شیرنی، بلاعنوان انعامی کہانی، نونہال ادیب اور ہنسی گھر بہت پسند آئی اور جولائی کا خاص نمبر مجھے گزشتہ خاص نمبروں سے اچھا لگا۔ لائبہ کمال، کراچی۔

● جولائی کا خاص نمبر اپنی مثال آپ تھا۔ ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی، مگر م۔ س۔ ایمن کا ناولٹ انگریز مصنف اوسکر وائلڈ کی کہانی ہیپی پرنس کا اردو ترجمہ ہے جس کا حوالہ نہیں دیا گیا، ہمارے معاشرے کی بہترین عکاسی کر رہا تھا۔ اس بار کا خاص نمبر بھی ہمیشہ کی طرح نمبرون رہا۔ بشریٰ نسیم، ناظم آباد، کراچی۔

● خاص نمبر اُمیدوں سے بھی بڑھ کر زبردست تھا۔ بلاعنوان کہانی تو کمال کی تھی۔ "سچی گواہی" سب سے مزے دار کہانی تھی۔ زین علی، کراچی۔

● خاص نمبر کی تمام کہانیاں، لطیفے، اشعار، نظمیں مزے دار اور سپرہٹ تھیں۔ اتنا اچھا خاص نمبر نکالنے پر ہم آپ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اسد علی، کراچی۔

● خاص نمبر تو مجھے بہت اچھا لگا، مگر اس میں کہانی عید سے پہلے اچھی نہیں لگی۔ لکھی ہوئی نیکی اور پُراسرار بوڑھا سب سے اچھی تھی۔ غیبی مدد میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہنسی گھر بھی اچھا لگا۔ سید جہانزیب کمال، کراچی۔

● کہانیاں بہترین تھیں، پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ ہنسی گھر کے سارے ہی لطیفے مزاحیہ تھے۔ شہید حکیم محمد سعید کے بارے میں معلومات سیر حاصل تھیں۔ کہانیوں میں جدون ادیب کی کہانی مہربان ڈاکٹر، جاوید بسام کی کہانی ملازم بھائی، محمد فاروق دانش کی کہانی احساس کی ندامت اور جاوید اقبال کی کہانی پُراسرار بوڑھا لاجواب تھیں۔ پرویز حسین، کراچی۔

● انکشاف (م۔ س۔ ایمن) کے خوب صورت اندازِ تحریر نے دل کو چھولیا۔ آدم خور شیرنی پڑھ کر کرنل جم کاربٹ کی ہمت و بہادری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ دوسری طرف موٹو شکاری (محمد ذوالقرنین خان) نے بھی کم لطف نہیں دیا۔ محترمہ سعدیہ راشد کے بڑے ابا کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ لطیفے بھی خوب تھے۔ رفعت شاہ، شہداد پور۔

● جولائی کا شمارہ بہترین تھا۔ ہر کہانی ایک دوسرے پر سبقت لے رہی تھی۔ شہید حکیم محمد سعید کی "میں اور موٹر کار" دل چسپ لگی۔ نعتِ رسولِ مقبولؐ، روشن خیالات بہت پسند آئے۔

انکشاف نے واقعی چونکا دیا۔ ملازم بھائی، مہربان ڈاکٹر، بلاعنوان کہانی اور اُدھار کی سیڑھی قابلِ تعریف ہیں۔ باقی رسالہ بھی بہترین رہا۔ عائشہ تزئین، سکھر۔

● ناول سمیت تمام کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ خاص طور پر قیمتی تحفہ، آدم خور شیرنی اور ملازم بھائی اچھی لگیں۔ مہربان ڈاکٹر بہت عجیب تھی۔ شہید حکیم محمد سعید کے واقعات بہت اچھے لگے۔ لطیفے کچھ نئے تھے اور کچھ پرانے تھے۔ معلومات افزا بہت مشکل تھا۔ نونہال خبر نامہ مزے کا تھا۔ کوئی نیا آسان سا سلسلہ شروع کریں۔ فرحین انور، اسلام آباد۔

● آدم خور شیرنی (کرنل جم کاربٹ) کو ہر مہینے چھپنا چاہیے۔ انکشاف (م۔ص۔ ایمن) ناولٹ اچھا تھا۔ اُدھار کی سیڑھی (احمد عدنان طارق) بہت اچھی تھی۔ رشنا جمال الدین، کراچی۔

● خاص نمبر کا بے صبری سے انتظار تھا۔ صبر کا پھل بے حد میٹھا ہوتا ہے۔ اس ماہ کی تمام کہانیاں پُر لطف تھیں۔ خاص طور پر محترمہ سعدیہ راشد کی تحریر "میرے بڑے ابا" بہت سبق آموز تھی۔ واقعی اچھے عمل سے اچھا کردار بنتا ہے اور کردار سے ہی بڑی شخصیت بنتی ہے۔ اس کے علاوہ انکشاف، آدم خور شیرنی، ملازم بھائی، انوکھے ساحلی پرندے، رحم دل سلطان بھی اچھی تحریریں تھیں۔ خنساء فیصل، کراچی۔

● تمام کہانیاں پسند آئیں۔ خاص نمبر بہت پسند آیا۔ تمام نظمیں اچھی تھیں اور تمام سلسلے بھی عمدہ تھے۔ ناولٹ ٹاپ پر رہا۔ طوبیٰ بنتِ عبدالرؤف قریشی، ملیر۔

● جولائی کا خاص نمبر بہت، بلکہ بہت زیادہ پسند آیا۔ تمام کہانیاں اور نظمیں اچھی تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عبدالرؤف قریشی، ملیر۔

● قیمتی تحفہ، مہربان ڈاکٹر، ملازم بھائی، زبان کا وار، غیبی مدد، شہزادہ اور ابابیل، پُر اسرار بوڑھا اور خواب کی تعبیر سپر ہٹ کہانیاں تھیں۔ بیت بازی بھی کمال کی تھی۔ نظم زبانیں بہت پسند آئی۔ ہنسی گھر بہت خوب تھا۔ ہنڈ کلیا زبردست تھی۔ تصویر خانہ میں بہت پیارے ننھے منے بچے تھے۔ حمد باری تعالیٰ اور نعتِ رسولِ مقبولؐ بہت پسند آئیں۔ میرے بڑے ابا، سعدیہ راشد کی تحریر سب کہانیوں سے منفرد اور دل چسپ تھی۔ نونہال خبر نامہ اس دفعہ پہلے نمبر پر تھا۔ حلیمہ صابر، صبا سرفراز، سندس مصطفیٰ، ہری پور۔

● مجھے نظموں میں پاکستان کے شہر، طبیب ملت اور اپنا پاکستان پسند آئے۔ مضامین میں میرے بڑے ابا، علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور انوکھے ساحلی پرندے اچھے لگے۔ کہانیوں میں اُدھار کی سیڑھی، سچی گواہی اور غیبی مدد پسند آئے۔ محمد عبدالحماض، کراچی۔

● سال نامہ بہت پسند آیا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ ہمدرد نونہال ایک سال سے پڑھ رہا ہوں۔ محمد راشد، خیر پور ٹامیوالی۔

● نعتِ رسولِ مقبولؐ پڑھ کر دل کو سکون مل گیا۔ صاف سیدھے راستے، عیدالفطر، رحم دل سلطان، بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ باقی شمارے کی کیا تعریف کریں۔ سارا شمارہ ٹاپ پر تھا۔ محمد اُسامہ اکرم، خیر پور ٹامیوالی۔

● اچھی تحریروں میں انوکھے ساحلی پرندے، خبر نامہ، انگلستان اور ایک درویش انسان تھیں۔ بلاعنوان کہانی بھی زبردست تھی۔ معلومات ہی معلومات پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ انکل! کیا میں کوئی کہانی لکھ کر بھیج سکتی ہوں؟ ملیحہ شاہد، کراچی۔

ضرور لکھ کر بھیجیں، معیاری ہوئی تو چھپ جائے گی۔

● خاص نمبر بہترین کاوش ہے۔ جس میں بھی لکھاریوں نے سر توڑ محنت کی ہے۔ محترمہ سعدیہ راشد بھی زبردست لکھتی ہیں۔ ناولٹ انکشاف آؤٹ کلاس تھا۔ مہربان ڈاکٹر بڑی زبردست تحریر تھی۔ حرا سعید، جوہر آباد۔

● ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ انکشاف بہت ہی بہترین ناول تھا۔ جاوید اقبال کی کہانی پُر اسرار بوڑھا بہت زبردست تھی۔ مہربان ڈاکٹر کا ایسا اختتام ہوگا، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جدون ادیب کی اس لاجواب کہانی نے میرا دل جیت لیا۔ علم دریچے اپنی مثال آپ تھا۔ واقعی خاص نمبر بہت شان دار اور جان دار تھا۔ وجیہہ احمانی، جگہ نا معلوم۔

● تمام تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح معلوماتی تحریر تھی۔ انکل مسعود احمد برکاتی نے بہت اچھا سا نیا خیال

دیا۔ حمدِ باری تعالیٰ اور نعتِ رسولِ مقبولؐ نے روح کو سکون دیا۔ کہانیوں میں اُدھار کی سیڑھی، چمڑے کی سڑک اور مہربان ڈاکٹر بہترین تھیں، لیکن ناول انکشاف سب پر بازی لے گیا۔ صبیح احمد، مظفر آباد۔

❁ جولائی کا شمارہ (خاص نمبر) پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ خاص کر انکشاف ایک بہت چونکا دینے والا ناولٹ تھا۔ عزیز احمد، چکوال۔

❁ اس خاص نمبر میں حکیم محمد سعید کی یادگار اور کام آنے والی تحریریں کئی مرتبہ پڑھیں۔ محترمہ سعدیہ راشد کا نہایت خوب صورت "شخصی خاکہ" بہت پسند آیا۔ مسعود احمد برکاتی پیچھے نہ رہے۔ اس کے علاوہ ہمدرد نونہال میں ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ کہانیوں میں انکشاف ایک ایسی تحریر تھی جو دل کو لگتی تھی۔ اسی طرح آدم خور شیرنی اور سچی گواہی بہت اچھی تھی۔ محمد ارسلان رضا، کہروڑ پکا۔

❁ خاص نمبر کی ہر کاوش ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ محمد شاہد حفیظ کی کہانی "رحم دل سلطان" نے صلاح الدین ایوبی کی عظمت کو اُجاگر کیا۔ ڈاکٹر عمران مشتاق کی کہانی "چمڑے کی سڑک"، خلیل جبار کی "کابوس کا شکار" اور محمد احمد تاجور کی "زبان کا وار" بہت ہی شان دار تھیں۔ موٹو شکاری اور لکھی ہوئی نیکی بھی بہت ہی پسند آئیں۔ انوکھے ساحلی پرندے اور یہ زمین و آسمان نے ہماری معلومات میں بے پناہ اضافہ کیا۔ زینت یاسمین، احسن حیات، عاشر حیات، حماد احمد، شایان احمد، داؤد احمد، پنڈ دادن خان۔

❁ خاص نمبر کی کہانیوں میں آدم خور شیرنی، ملازم بھائی اور سچی گواہی بہت ہی دل چسپ اور سنسنی خیز تھیں۔ نظموں میں ماں اور خدا کی قدرت دل کو چھو لینے والی تھیں۔ عید الفطر کے حوالے سے شیخ عبدالحمید عابد کی کاوش بہت ہی معلوماتی تھی۔ سعدیہ راشد صاحبہ کی تحریر میرے بڑے ابا بہت ہی دل چسپ اور سبق آموز تھی۔ راجا فرخ حیات، راجا عظمت حیات، راجا نزہت حیات، ثمینہ فرخ، شاذیہ فرخ، پنڈ دادن خان۔

❁ خاص نمبر ہماری توقعات سے بھی بڑھ کر خاص الخاص نمبر ثابت ہوا۔ جو دن رات محنت اور پُر خلوص کاوشوں کا کھلا ثبوت ہے۔ جاگو جگاؤ ہمیں آپس میں محبت اور بھائی چارے کا درس دے رہا تھا۔ پہلی بات اور اس مہینے کا خیال دل کی عمیق گہرائیوں میں اُتر گئے۔ روشن خیالات بہت ہی زندگی آموز تھے۔ کہانیوں میں قیمتی تحفہ، انکشاف اور مہربان ڈاکٹر لاجواب تھیں۔ بلاعنوان کہانی تجسس سے بھرپور تھی۔ پرنس راجا ثاقب محمود ثاقی جنجوعہ، عایزہ صدیقہ، نجبہ رانی، صدف رانی، ثانیہ فرخ، ضیاء فرخ، پنڈ دادن خان۔

❁ خاص نمبر بہت زبردست تھا۔ کہانیوں میں قیمتی تحفہ، ملازم بھائی، مہربان ڈاکٹر، شان دار تھیں۔ ناول پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ نونہال خبرنامہ اور یہ زمین و آسمان نے معلومات میں اضافہ کیا۔ نیز پورا رسالہ بہترین تھا۔ انکل! میں بک کلب کا ممبر بننا چاہتا ہوں۔ صفت اللہ، خانیوال۔

کارڈ آپ کو جلد مل جائے گا۔

❁ خاص نمبر آپ کی محنت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور مہینے کا خیال عمدگی سے بھرپور تھے۔ حمدِ باری تعالیٰ اور نعتِ رسولِ مقبولؐ چاشنی سے بھرپور تھیں۔ مسعود احمد برکاتی اور حکیم سعید کی تمام تحریریں سبق آموز تھیں۔ "انکشاف" سسپنس فل اور دل کو موہ لینے والا ناول تھا۔ آنٹی سعدیہ راشد نے "میرے بڑے ابا" مضمون لکھ کر کمال کر دیا۔ سچی گواہی کہانی شاباش کی مستحق ہے۔ مشہور شکاری کرنل جم کاربٹ کی کہانی آدم خور شیرنی شاہ کار کہانی تھی۔ مہربان ڈاکٹر، بلاعنوان کہانی، کابوس کا شکار، پُر اسرار بوڑھا، اُدھار کی سیڑھی، احساسِ ندامت، شہزادہ اور ابابیل، زبان کا وار، موٹو شکاری، لکھی ہوئی نیکی اور چمڑے کی سڑک قابلِ قدر کہانیاں تھیں۔ سلیم فرخی کا خبرنامہ پڑھ کر بہت حیرت اور خوشی ہوئی۔ مضامین، نظمیں، اِدھر اُدھر سے، علم دریچے اور دیگر سلسلے بہت اعلا تھے۔ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔

❁ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ قیمتی تحفہ، ملازم بھائی، آدم خور شیرنی، سچی گواہی، اُدھار کی سیڑھی اور بلاعنوان کہانی پسند آئیں۔ م ۔ ایمن کا خوب صورت ناول "انکشاف" بھی زبردست لگا۔ سعدیہ راشد کی تحریر "میرے بڑے ابا"

سبق آموز بھی تھی اور دل چسپ بھی۔ غرض یہ کہ شروع تا آخر پورا ہمدرد نونہال زبردست لگا۔ **عمیرہ صابر، کراچی۔**

✿ خاص نمبر بہت ہی زبردست تھا۔ سب کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ ناول مجھے بہت پسند آیا۔ زبان کا وار، خبر نامہ، جاگو جگاؤ زیادہ عمدہ تحریریں تھیں۔ روشن خیالات کا تو جواب ہی نہیں۔ بلاعنوان کہانی بھی بہت اچھی تھی۔ اس بار تو نظمیں بھی بہت اعلا تھیں۔ **آمنہ عبدالسلام، قصور۔**

✿ ہمارے پورے گھر میں ہمدرد نونہال بہت شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ اس ماہ تمام کہانیاں، نظمیں بھی بہت اچھی تھیں۔ غرض پورا رسالہ ہی نمبر ون تھا۔ مجھے نونہال بک کلب کا کارڈ بھیج دیا جائے۔ **صدف حق نواز بلوچ، فاضل۔**

بک کلب کا کارڈ حاصل کرنے کے لیے اپنا مکمل پتا صاف صاف لکھ کر بھیجیں۔

✿ سرورق بہت پیارا لگا۔ نیمی مدد موجودہ حالات کی منہ بولتی تحریر تھی۔ یہ زمین و آسمان پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ مہربان ڈاکٹر پُراسرار کہانی تھی۔ چمڑے کی سڑک منفرد کہانی تھی۔ ناولٹ انکشاف کے تو کیا کہنے، زبردست تھا۔ م۔ ص۔ ایمن کا کیا انوکھا چونکا دینے والا اندازِ تحریر تھا۔ سچی گواہی، خواب کی تعبیر، احساسِ ندامت، لکھی ہوئی نیکی، پیاری، خوب صورت اور دل میں گھر کرنے والی کہانیاں تھیں۔ زبان کا وار حیرت سے بھرپور تھی۔ پُراسرار بوڑھا پڑھ کر ہم ڈر کے مارے کانپ کر رہ گئے۔ عید سے پہلے، اچھائی اور نیکی سے بھرپور کہانی تھی۔ پورا شمارہ آپ کی اور لکھاریوں کی محنت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ **مریم عبدالسلام شیخ، نواب شاہ۔**

✿ خاص نمبر ماشاء اللہ بہت خوب تھا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ رسالہ اپنی مثال آپ تھا۔ کہانیوں میں مہربان ڈاکٹر کسی سے کم نہیں تھی۔ قیمتی تحفہ بہت پسند آئی۔ ملازم بھائی، احساسِ ندامت یہ دونوں کہانیاں پہلے پڑھی ہوئی تھیں۔ چمڑے کی سڑک حیرت انگیز کہانی تھی۔ آدم خور شیرنی، کابوس کا شکار، زبان کا وار، لکھی ہوئی نیکی، خواب کی تعبیر، یہ سب کہانیاں سپر ہٹ تھیں۔ سچی گواہی سب سے منفرد کہانی تھی۔ انکل! اس دفعہ اشتیاق احمد کے ناولٹ کی کمی شدت سے محسوس ہوئی، لیکن م۔ ص۔ ایمن نے وہ کمی پوری کردی۔ انکشاف ناولٹ پورے رسالے میں ٹاپ پر تھا۔ واقعی اس کا انجام چونکا دینے والا تھا۔ **عائشہ عبدالسلام شیخ، نواب شاہ۔**

✿ میں نے ہمدرد نونہال کا تازہ شمارہ پڑھا۔ اس میں شہزادہ اور ابابیل، قیمتی تحفہ اور پُراسرار بوڑھا بہت اچھی تھیں اور نظمیں بھی مزے دار ہیں۔ یہ رسالہ اچھا لگا، بہت مزہ آیا۔ نونہال ادیب، نونہال لغت، نونہال خبر نامہ اور معلوماتی سلسلے اور لطائف اچھے لگے۔ دل چسپ باتیں اور روشن خیالات، معلوماتی مضامین اچھے ہیں۔ **سمن فاروق، حیدر آباد۔**

✿ انتا زبردست اور مزے دار چٹخارے والا خاص نمبر شائع کرنے پر پوری ٹیم کو انتہائی خلوص دل کے ساتھ بہت بہت مبارک باد قبول ہو۔ انتھک محنت، جانفشانی کا جیتا جاگتا شاہکار خاص نمبر کی صورت میں تمام ملکی رسالوں کے خاص نمبروں میں نمبر ون بن کر ایوارڈ کا حق دار بن گیا ہے۔ ایک میں ہی نہیں ملک کے لاکھوں نونہالوں اور نوجوانوں میں آپ کی دن و رات کی محنت اور صلاحیتوں کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ **ادیب سمیع چمن، حیدر آباد۔**

✿ خاص نمبر ہر خاص و عام کے لیے یکساں مفید تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جس نے بھی اسے پڑھا ہے، اس نے ضرور اس سے معلومات کے خزانے حاصل کیے ہیں۔ سلسلہ پہلی بات ہمیشہ کی طرح حسین تھا، کیوں کہ میں نے اسے دل و دماغ کی آنکھ سے پڑھا تھا۔ غلام رسول زاہد نے خوب حمدِ باری تعالیٰ لکھی۔ نعتِ رسولِ مقبولؐ بھی خوب صورت تھی۔ روشن خیالات نے دل و دماغ میں جگہ بنائی۔ تمام نظمیں اپنا اپنا مقام رکھتی ہیں۔ تمام حکایتیں شان دار تھیں۔ اول تا آخر شمارہ آپ کی ہمت اور محنت کا منھ بولتا ثبوت تھا۔ **اُسامہ ظفر راجا، ملکہ کوہسار۔**

✿ خاص نمبر واقعی خاص تھا۔ ہر کہانی اور تحریر ایک سے بڑھ کر ایک، لیکن کہانی زبان کا وار اور چمڑے کی سڑک سب پر بازی لے گئیں۔ "صاف سیدھے راستے" مسعود احمد برکاتی کی تحریر زبردست تھی۔ **عاقب اسماعیل، سارہ اسماعیل، جویریہ اسماعیل، عائشہ اسماعیل، میر پور خاص۔**

☆

جوابات معلومات افزا -۲۵۹

سوالات جولائی ۲۰۱۷ء میں شایع ہوئے تھے

جولائی ۲۰۱۷ء میں معلومات افزا-۲۵۹ کے لیے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے درست جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد ۱۵ سے زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت یوسف ؑ، حضرت اسحاق ؑ کے پوتے تھے۔

۲۔ غزوہ خندق (احزاب) ذی قعدہ ۵ ہجری/ مارچ ۶۲۷ عیسوی میں پیش آیا تھا۔

۳۔ دنیا میں افطار کا سب سے بڑا اہتمام حرمِ کعبہ میں کیا جاتا ہے۔

۴۔ مشہور کتاب ''خلاصۃ التواریخ'' کے مصنف کا نام سبحان رائے بٹالوی ہے۔

۵۔ ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۵ء تک ہندستان پر سوری خاندان کی حکومت رہی۔

۶۔ پاکستان کے تفریحی پہاڑی علاقے سوات کا صدر مقام سیدو شریف ہے۔

۷۔ ۶ مارچ ۱۹۵۷ء کو افریقی ملک گولڈ کوسٹ کا نام تبدیل کر کے گھانا رکھا گیا۔

۸۔ ہر سال ۷- اپریل کو عالمی یومِ صحت منایا جاتا ہے۔

۹۔ رومانیہ براعظم یورپ کا ایک ملک ہے۔

۱۰۔ امریکا کا قومی کھیل بیس بال ہے۔

۱۱۔ ''عبدالحمید اسماعیل'' پاکستان کے مشہور مصور گل جی کا اصل نام ہے۔

۱۲۔ گلاسگو (GLASGOW) اسکاٹ لینڈ کی ایک بندرگاہ ہے۔

۱۳۔ ایک مربع گز میں ۱۲۹۶ مربع انچ ہوتے ہیں۔

۱۴۔ ''SQUIRREL'' انگریزی زبان میں گلہری کو کہتے ہیں۔

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت یہ ہے: ''چوری اور سینہ زوری؟''

۱۶۔ مشہور شاعر امیر مینائی کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

وائے قسمت، وہ بھی کہتے ہیں بُرا ہم بُرے سب سے ہوئے جن کے لیے

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: محمد تمیم بلال، انیقہ عبدالجبار، محمد حارث الطاف، سمیع اللہ خان، محمد عثمان یوسف، اُمیمہ ریان ☆ بہاول پور: احمد ارسلان ☆ حیدر آباد: ماہ رخ ☆ بکھر: تسبیحہ خالد۔
☆ راولپنڈی: کائنات فاروقی ☆ ساہیوال: اریبہ ظفر ☆ چوکارہ: فاصر زمان۔
☆ پنڈی گھیپ: محمد جنید ☆ خوشاب: محمد قمر الزماں ☆ ڈیرہ غازی خان: سدرہ نور چشتی۔

۱۶ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ کراچی: محمد مصعب علی، نوال علی، ناعمہ تحریم، عائزہ خان، نبیرہ ندیم، محمد معاذ بن محمد یعقوب، رضی اللہ خان، شاہ محمد ازہر عالم، علینا اختر، حذیفہ احمد انصاری ☆ بہاول پور: قرۃ العین عینی، ایمن نور، صباحت گل ☆ کبیر والا: محمد معاذ اکمل آرائیں، محمد عمر اشرف آرائیں ☆ حیدر آباد: طٰہٰ یاسین ☆ بھکر: فرمان حیدر ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ راولپنڈی: ہانیہ نور بٹ، فاطمہ احمد، مریم ضیا ☆ لاہور: انشراح خالد بٹ ☆ کہروڑ پکا: محمد ارسلان رضا ☆ فیصل آباد: مطیع اللہ بلوچ ☆ خانیوال: ہادیہ فاطمہ ☆ بے نظیر آباد: ایمن سعید خانزادہ ☆ ٹنڈو جام: عائشہ خان خانزادہ ☆ بھٹ شاہ: ایم حارث ارسلان ☆ کالا گجراں: محمد افضل ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ کوٹلی: زرفشاں بابر ☆ ڈیرہ غازی خان: ارفع زینب چشتی ☆ سرگودھا: فرحان ظفر علی ہاشمی ☆ وہاڑی: مومنہ ابوجی ☆ میر پور خاص: عاقب اسماعیل۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: رضوان احمد خان، عدینہ احمد، محمد راشد یونس، عائشہ خان، ماہ نور فضل احمد، جویریہ جمال، ارسلان احمد، عائشہ احمد، محمد اسد، عروبہ امین، اویس وجاہت، اُم ہانی، صائمہ صلاح الدین، کنول فاطمہ زیدی، حافظ محمد صہیب نعیم، زعیمہ زینب ایاز احمد، سفیان شاہد، سید نوفل علی محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سید صفوان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، سید یشل علی اظہر ☆ بہاول

پور: مومنہ زینب، محمد وسیم اللہ یار، بدر بن مغیرہ ☆ سکھر: عائشہ تزین، محمد عفان بن سلمان، محمد مسیح اللہ ☆ سرگودھا: راجا مرتضیٰ خورشید علی، ماح سراج ملک ☆ لاہور: سارہ جاوید ☆ بیلہ: ایم، آئی صاحب ☆ راولپنڈی: شاہ زیب احمد ☆ بنگیال: عائشہ ایمان ☆ اوکاڑہ کینٹ: عروسہ تنزیل ☆ فیصل آباد: صفی اللہ ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحسن ☆ بہاول نگر: انس عبدالرحمن ☆ پشاور: محمد حیان ☆ حیدرآباد: عائشہ ایمن عبداللہ ☆ رحیم یار خان: منیب الیاس ☆ ملتان: محمد علی حیدر ☆ نواب شاہ: ارم بلوچ محمد رفیق ☆ شکردرہ: عائشہ نورالعین طارق ☆ مانسہرہ: وجیہہ الرحمٰن۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: سیدہ اریبہ بتول، رابعہ نور، لائبہ فہد، محمد ابراہیم فاروق صد، رویبہ عرفان، سید جہاں زیب کمال، عثمان کریمی، شاہد احمد ☆ لاہور: عبدالہادی، امتیاز علی ناز، ملک محمد صمیم شاہد ☆ میرپورخاص: سکینہ سیال، فیروز احمد، طوبیٰ شعیب شیخ ☆ حیدرآباد: بسمن فاروق، محمد دانش ☆ اپرٹوپہ: اسامہ ظفر راجا ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ راولپنڈی: ملک محمد احسن ☆ فیصل آباد: آمنہ تنویر ☆ ساہیوال: ارفع محمود۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: محمد عبدالحماض، سمیعہ توقیر، محمد زایان خان ☆ حیدرآباد: عمارہ نوید ☆ سیالکوٹ: محمد منیب ستار ☆ ٹنڈوالہیار: مدثر آصف کھتری ☆ راولپنڈی: سلیمان اعجاز ☆ بہاول پور: محمد احمد آصف ☆ گوجرانوالہ: ماہ رخ قدیر ☆ سکھر: زین علی۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ کراچی: صدف آسیہ ☆ پنڈدادن خان: راجا ثاقب محمود ثاقی جنجوعہ۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ کراچی: ریان محمد خان ☆ سیالکوٹ: قاسم محمد۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال جولائی ۲۰۱۷ء میں جناب محمد اقبال شمس کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ روپ بہروپ : فاطمہ فیصل، بہاول پور

۲۔ ذرّوں کی گواہی : مریم عبدالسلام شیخ، نواب شاہ

۳۔ محنت کش مجرم : خرم احمد خاں، کراچی

﴿ چند اور اچھے عنوانات یہ ہیں ﴾

پاؤں کی دھول۔ جرم بولتا ہے۔ قانون کے ہاتھ۔ انوکھے چور۔ دانش بابا، چار چور۔ قانون کی جیت۔ انوکھی واردات۔ قانون کا شکنجہ۔ جرم چھپتا نہیں۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: عدینہ احمد، ثمرہ سلیم، سفیان شاہد، علیشاہ شاہد، سدرہ فوزیہ کنول، مدحت فاطمہ امتیاز، محمد معیز انصاری، مریم بنتِ علی، محمد بلال صدیقی، محمد راشد یونس، نوال علی، ضحیٰ عرفان، شیخ محمد حسن رضا عطاری، عائشہ خان، ماہ نور فضل احمد، راد بشیر، عبیرہ صابر، حافظ محمد صہیب نعیم، محمد عثمان یوسف، علیز محمد یعقوب، محمد زایان خان، محمد حذیفہ الطاف، عثمان کریمی، انیقہ عبدالجبار، پرویز حسین، سیدہ لائبہ کمال، جویریہ جمال،

عبدالرحمٰن بن عبدالرؤف قریشی، نویم عالم، رشنا جمال الدین، اریبہ افروز، خنسا فیصل، محمد عبدالحماض، محمد ابراہیم، محمد شاہد خان، محمد جلال الدین اسد خان، احسن محمد اشرف، محسن محمد اشرف، محمد زبیر، حسن علی، اعجاز حیات، بہادر، نور حیات، محمد فضل سلیمان خان، محمد معین الدین غوری، کامران گل آفریدی، عاصم قریشی، عبدالتواب، ایاز حیات، اختر حیات خان، محمد اسد، محمد حاشر خان، رابعہ نور، رضی اللہ خان، سمیع اللہ خان، عروبہ امین، علینا اختر، اویس وجاہت، شاہ بشریٰ عالم، اریبہ عبدالاحد صوفی، مہوش حسین، زعیمہ زینب ایاز احمد، سیدہ اریبہ بتول، سمیعہ توقیر، صبا عبدالغنی، سید صفوان علی جاوید، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، سید نوفل علی محبوب، سیدہ مریم محبوب، سید یشل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، حذیفہ احمد انصاری ☆ ہری پور: ملک احمر نواز، حلیمہ صابر ☆ کبیر والا: جویریہ اشرف آرائیں، سلیمان افضل ☆ بہاول نگر: صلاح الدین عبدالرشید، نجم الثاقب علوی، علیشا فاطمہ ☆ نواب شاہ: ارم بلوچ محمد رفیق ☆ لاہور: انشراح خالد بٹ، امتیاز علی ناز، سارہ جاوید، ملک محمد صحیم شاہد ☆ ڈیرہ غازی خان: ارفع زینب چشتی، سدرہ نور چشتی، رفیق احمد خان، عفت سراج ☆ میر پور خاص: وجیہہ احمدانی، فیروز احمد، نیہا شعیب شیخ، آمنہ سیال، طوبیٰ فاطمہ ضیاء الرحمٰن، عائشہ اسماعیل ☆ اسلام آباد: محمد حمزہ ذاکر، ایمن نوید، فرحین انور ☆ راولپنڈی: اُمیمہ سہیل، ہانیہ نور بٹ، شاہ زیب احمد، ملک محمد احسن، سعد اعجاز، فاطمہ احمد، مرزا محمد علی اکبر، کائنات فاروقی ☆ حیدرآباد: فلک

بنتِ ندیم، حذیفہ، مریم بنتِ کاشف، ثمن فاروق، عائشہ ایمن عبداللہ، عمارہ نوید، عبدالمعید، دانیہ عبدالمتین، طوبیٰ سلمان، امامہ ساجد، محمد عشرت عبدالباری ☆ **بہاول پور:** صباحت گل، ایمن نور، قرۃ العین عینی، احمد ارسلان، محمد وسیم اللہ یار، بدر بن مغیرہ ☆ **سانگھڑ:** محمد عاقب منصوری ☆ **ساہیوال:** محمد صہیب ظفر ☆ **پنڈ دادن خان:** عائشہ صدیقہ راجا ☆ **میر پور ماتھیلو:** آصف بوزدار ☆ **بنگیال:** عائشہ ایمان ☆ **پشاور:** محمد حمدان ☆ **سیالکوٹ:** قاسم محمد، محمد منیب ستار ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** ... ☆ **ننکانہ صاحب:** ماہ نور محمود شیخ ☆ **خانیوال:** ریان احمد، محمد طلحہ محمود ☆ **مانسہرہ:** وجیہہ رحمٰن ☆ **اٹک:** حمیرا نوشین ☆ **احمد پور شرقیہ:** مصباح آصف ☆ **خوشاب:** محمد قمر الزمان ☆ **ٹامیوالی:** محمد اُسامہ اکرم ☆ **ملتان:** عثمان احمد صدیقی ☆ **ٹنڈو جام:** عثمان رضا خانزادہ ☆ **واہ کینٹ:** محمد حذیفہ ☆ **رحیم یار خان:** منیب الیاس، مریم مصطفیٰ، حسنات احمد چوہان ☆ **کالا گجراں:** سیماں کوثر ☆ **شکر درہ:** عبدالرافع ☆ **گوجرانوالہ:** سمیع اللہ قدیر ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **سرگودھا:** فرحان ظفر علی ہاشمی، غلام بتول زاہد ☆ **فیصل آباد:** ایمن نعیم ☆ **کوٹلی:** محمد جواد چغتائی ☆ **سدھنوتی:** درِ شہوار خان ☆ **علی پور:** سلمان یوسف سمیجہ ☆ **ٹنڈو آدم:** ماریہ عبدالقہار انصاری ☆ **بے نظیر آباد:** ایمن سعید خانزادہ ☆ **خانیوال:** محمد سفان الحق ☆ **اپر ٹوپہ:** اُسامہ ظفر راجا ☆ **چکوال:** عبداللہ محمد ایاز ☆ **وہاڑی:** مومنہ ابو جی ☆ **شیخو پورہ:** محمد احسان الحسن ☆ **بیلہ:** ایم۔ آئی۔ صاحب۔

☆

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
مُقدم	مُ قَ دْ دَ م	در پیش کیا گیا۔ پہلا۔ اگلا۔ گزشتہ۔ سابقہ۔ قدیم۔ اعلا۔ اونچا۔ معزز۔ بزرگ۔ فرض۔ ضروری۔ لازم۔ مناسب۔ گاؤں کا نمبردار۔ چودھری۔
مَقدم	مَ قْ دَ م	آمد۔ تشریف آوری۔ قدم رنجہ فرمائی۔ رونق افروزی۔ پاؤں رکھنے کی جگہ۔
مُنظّم	مُ نَ ظْ ظَ م	وہ چیز جو انتظام کے ساتھ ہو۔ دھاگے میں پرویا ہوا۔
اِنتشار	اِ نْ تِ شا ر	تتر بتر ہونا۔ پریشانی۔ گھبراہٹ۔ پراگندہ ہونا۔
حتمی	حَ تْ مِی	مضبوط۔ پختہ۔ پکّا۔ مستقل۔
اِجارہ	اِ جا رَ ا	ٹھیکہ۔ دعوا۔ قبضہ۔ قابو۔ اختیار۔
مَسحور	مَ سْ حُو ر	جو سحر میں مبتلا ہو۔ جس پر جادو کیا جائے۔
مُضطرب	مُ ضْ طَ رِ ب	بے چین۔ بے قرار۔ پریشان۔ گھبرایا ہوا۔
کوڑی	کَو ڑِ ی	ایک قسم کا چھوٹا گھونگھا۔ جو پہلے زمانے میں ادنا سکے کے طور پر چلتا تھا۔ انسان کے سینے کی ہڈی کے نیچے کا گڑھا۔ قلیل مقدار۔
نَدیدہ	نَ دِ یْ دَ ہ	نادیدہ۔ اَن دیکھا۔ بغیر دیکھا۔ لالچی۔ وہ شخص جس نے کوئی عمدہ چیز نہ کھائی ہو پھر بھی کسی کو کھاتے دیکھ کر گھورے۔
سَرسری	سَ رْ سَ رِ ی	رَوارَوی۔ چلتے پھرتے۔ جلدی سے۔ مختصراً۔
تفاخر	تَ فا خُ ر	فخر کرنا۔ غرور۔ تکبّر۔ گھمنڈ۔